فقہ میں اجماع کا مقام

فقہ اور اسلامی قانون کے عظیم ماخذ "اجماع" اور اس کی اقسام و
مراتب کا دل نشیں تعارف اور حجیت اجماع پر محققانہ بحث

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

ادارۃ المعارف کراچی

فہرستِ مضامین

"فقہ میں اجماع کا مقام"

دیباچہ

زیرِ نظر مقالہ کوئی مستقل تصنیف نہیں، بلکہ احقر کی ایک اور زیرِ تالیف کتاب کا حصہ ہے جس میں فقہ اور اس کے مآخذ کا مفصّل تعارف کرایا گیا ہے، اُس کتاب کی تکمیل میں تو ابھی وقت لگے گا، مگر اُس میں "اِجماع" اور اس کی اقسام ومراتب کا تعارف کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگیا تھا، خصوصیت سے اجماع کی "حُجیّت" پر بحث ایک حد تک جامعیت اور اختصار کے ساتھ آگئی۔ چونکہ "اِجماع" پر اردو میں بہت کم لکھا گیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ کتاب کا یہ حصّہ الگ بھی ایک رسالے کی صورت میں شائع کر دیا جائے۔ اگرچہ اجماع پر اِس زمانے میں جس شرح وبسط کے ساتھ لکھنے کی ضرورت ہے وہ ضرورت تو اس مختصر رسالے سے پوری نہ ہوگی، تاہم نہ ہونے سے کچھ ہوجانا بہتر ہوتا ہے، اس لئے اپنی علمی کم مائیگی اور کوتاہیٔ بیان کے شدید احساس کے باوجود اسے ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے۔

اسلامی قانون اور فقہ کے لئے "اجماع" کا حجّت ہونا پوری امّت کا مسلّمہ اور متفقہ عقیدہ رہا ہے، صحابہ وتابعین اور تمام ائمۂ مجتہدین فقہی مسائل

میں " اجماع " سے استدلال کرتے رہے، اور اجماع کو فقہ کے تیسرے مأخذ کے طور پر ایسی بدیہی حقیقت سمجھا گیا کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اس کی "حجیّت" ثابت کرنے کے لئے دلائل بیان کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

پھر جب مسلمانوں میں فرقے پیدا ہوئے، اور بعض باطل فرقوں نے اسے "حجت" ماننے سے انکار کیا تو امّت کو پھوٹ سے بچانے، اور اسلامی احکام کے تحفظ کے لئے حجیّتِ اجماع پر قرآن و سُنّت کے دلائل واضح کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس مسئلہ پر سب سے پہلے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی توجہ دی، اور اپنی گرانقدر تصانیف میں اجماع کی حجیّت پر دلائل بیان فرمائے۔ مشہور امامِ حدیث "حاکم نیشاپوریؒ" نے اپنی معروف کتاب "المُستدرک" میں "حجیّتِ اجماع" پر ایک مستقل باب قائم فرمایا۔ اور بعد از اں اصولِ فقہ کی تقریباً سب ہی اہم کتابوں میں "حجیّتِ اجماع" پر دلائل کا بیان تفصیل سے ہوتا آرہا ہے۔ ناچیز راقم الحروف نے انہی بزرگوں کے بیان کردہ مباحث کو اختصار کے ساتھ آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اِن دلائل میں آیاتِ قرآنیہ کے علاوہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث بھی آپ کے سامنے آئیں گی، جن کو تمام علما محققین نے "متواتر معنوی" قرار دیا ہے، اور تمام اہلِ عقل کا اتفاق ہے کہ "ہر خبرِ متواتر" بالکل یقینی اور قطعی ہوتی ہے، یعنی اس سے کسی کے قول یا واقعہ کا بالکل ایسا ہی قطعی یقین حاصل ہوتا ہے، جیسا اس قول کو خود متکلم سے سننے یا اس واقعہ کو خود دیکھنے سے حاصل ہوتا۔ لہٰذا حجیّتِ اجماع پر یہ احادیث بہت وزنی دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن اس بات کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے کہ یہ احادیث واقعیؔ متواتر"

ہیں ، یہ تحقیق سامنے لانے کی ضرورت تھی کہ اِن احادیث کو روایت کرنے والے صحابہؓ کرام کی تعداد کتنی زیادہ ہے ؟ یعنی اِن احادیث کو کن کن صحابۂ کرام نے روایت کیا ہے ، اور ان کی مجموعی تعداد کیا ہے ؟ کیونکہ کسی حدیث کو "متواتر" جب ہی کہا جاسکتا ہے ، جب اسے روایت کرنے والوں کی تعداد عہدِ رسالت سے اب تک ہر زمانے میں اتنی زیادہ رہی ہو کہ وہ "حدِّ تواتر" کو پہنچی ہوئی ہو ، یعنی وہ تعداد اتنی زیادہ ہو کہ عقل یہ باور نہ کرے کہ وہ سب کے سب (نعوذ باللہ) سازش کرکے جھوٹ بولتے رہے ہوں گے ، یا سب کو یکساں مغالطہ لگ گیا ہوگا ۔

حجیّتِ اجماع کے اس خاص پہلو پر بحمد اللہ جو تحقیق اس مقالے میں آگئی ہے وہ ناچیز کو کہیں اور یکجا دستیاب نہ ہوئی تھی اور عرصے سے تمنا تھی کہ اس پہلو پر تحقیق کی جائے ۔ اور یہی اس مقالے کی خصوصیت ہے کہ جن احادیثِ نبویہ سے حجیّتِ اجماع پر استدلال کیا گیا ہے اُن میں سے ہر حدیث کو روایت کرنے والے صحابۂ کرام کے اسماءِ گرامی کی نشاندہی مفصل حوالوں کے ساتھ اس میں کردی گئی ہے ۔ اس پوری تحقیق کے نتیجے میں اِن احادیث کو روایت کرنے والے صحابۂ کرام کی جو تعداد اب تک سامنے آئی ہے وہ چوالیس ۴۴ ہے ۔ جن میں سے پانچ صحابۂ کرام اس مقدس جماعت کے افراد ہیں جن کو "عشرۂ مبشرہ" کہا جاتا ہے ، یعنی جن کے جنّتی ہونے کی خصوصی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ۔ اِن پانچ میں چاروں خلفائے راشدین بھی داخل ہیں ۔ پھر اِن صحابۂ کرام سے اِن احادیث کو روایت کرنے والوں کی تعداد بعد کے ہر زمانے میں بڑھتی ہی چلی گئی ہے ۔ لہٰذا اِن احادیث کے "متواتر" ہونے میں کوئی شُبہ نہیں کیا جاسکتا ۔ وللہ الحمد

اس رسالے کا پہلا ایڈیشن ربیع الاول ۱۳۹۹ھ (فروری ۱۹۷۹ء) میں شائع ہوا تھا جس میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں ، اب طبع ثانی کے

وقت ان کی تصحیح کے ساتھ متعدد مقامات پر ترمیم واضافہ کی نوبت بھی آئی، خصوصًا اس مرتبہ "تواتر" اور "حدیثِ متواتر" کی حقیقت، اور اس کی اقسام کا بیان بھی سیر حاصل تشریح کے ساتھ کر دیا گیا ہے۔ وللہ الحمد اولاً وآخراً۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو نافع بنا کر شرفِ قبولیت سے نوازے اور ناچیز کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ وھو المستعان وعلیہ التکلان۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ وعن والدیہ
خادم دار العلوم کراچی
۲۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ
بروز جمعۃ المبارک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

فقہ کا ہر مسئلہ اور اسلامی قانون کی ہر دفعہ اپنے ثبوت کے لئے شرعی دلیل کی محتاج ہے، قانون یا فقہی مسئلہ جب تک کسی نہ کسی شرعی دلیل سے ماخوذ اور ثابت نہ ہو اسے نہ "فقہی مسئلہ" کہا جا سکتا ہے نہ "اسلامی قانون"[1]۔

شرعی دلیلیں ——— جن کو اصولِ فقہ کی اصلاح میں "احکامِ شرعیہ کے دلائل" کہا جاتا ہے ——— صرف چار ہیں، قرآن حکیم، سنت، اجماع اور قیاس۔ فقہ کا ہر مسئلہ یا تو قرآن حکیم کی کسی آیت سے ماخوذ ہوتا ہے، یا سنت (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل) سے، یا اجماع سے، یا کسی مجتہد کے قیاس سے۔ فقہ کی پوری عظیم الشان عمارت انہی چار بنیادوں پر قائم ہے، اور انہی کو "ماخذِ فقہ" بھی کہا جاتا ہے۔

فقہ کے ان ماخذ سے شرعی احکام کس طرح مستنبط (دریافت) ہوتے ہیں ؟ اس کے اصول و قواعد "علم اصول فقہ" میں بیان کئے گئے ہیں، جو نہایت دلچسپ مگر مشکل فن ہے، اسی سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے

---

[1] فقہ کا مفہوم "اسلامی قانون" کے مفہوم سے زیادہ وسیع ہے، اسلامی قانون فقہ ہی کا ایک حصہ ہے، اس لئے آگے ہم دونوں کے لئے صرف لفظِ "فقہ" استعمال کریں گے۔

کہ ان مآخذ سے شرعی احکام کا استنباط (دریافت) وہی شخص کرسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجتہدانہ صفات سے نوازا ہو، عربی زبان اور مآخذ فقہ میں گہری بصیرت و مہارت کے علاوہ تقویٰ و پرہیزگاری اس کا شعار ہو، اعلیٰ درجہ کی ذہانت، بلند پایہ قوتِ حافظہ، معاشرہ کے حالات پر نظر اور ضروریاتِ زمانہ سے واقفیت رکھتا ہو۔

پھر ان چار میں سے بھی اصل مآخذ صرف قرآن[1] و سنت[2] اور اجماع[3] ہیں، قیاس ان تینوں کے تابع اور انہی سے مآخوذ ہوتا ہے، چنانچہ کسی مسئلہ کا جو حکم قرآن، سنت یا اجماع میں موجود ہو اس میں قیاس کے ذریعہ کسی قسم کا تغیر و تبدل جائز نہیں، قیاس کے ذریعہ صرف اُن مسائل کا شرعی حکم دریافت کیا جاتا ہے جن کا حکم قرآن و سنت اور اجماع میں نہ مل سکے، جب ایسا کوئی مسئلہ پیش آجائے تو قرآن و سنت اور اجماع میں اس کی نظیر تلاش کی جاتی ہے، اور جو حکم اس نظیر کا پہلے سے مقرر ہے وہی حکم اس نئے مسئلہ کے لئے مقرر کردیا جاتا ہے، اسی عمل کا نام "قیاس" ہے، یہ ایک دقیق و نازک فکری عمل ہوتا ہے، جس کی پوری حقیقت طریق کار، اور شرائط اصولِ فقہ کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، یہاں ہماری بحث صرف اجماع سے متعلق رہے گی۔

اجماع کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

لغت میں "اجماع" کے دو معنیٰ آتے ہیں ① عزم کرنا ② اتفاق[1] کرنا اور اصطلاحِ شریعت میں ایک خاص قسم کے اتفاق کو "اجماع" کہا جاتا ہے جس کی تعریف[2] یہ ہے کہ:

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی ص ۱۰۱ ج اول، والمحصول ص ۱۹ ج ۴۔

[2] تسہیل الوصول ص ۱۶۷، والتوضیح والتلویح ص ۴۱ ج ۲۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات[1] کے بعد کسی زمانہ کے تمام فقہاءِ مجتہدین کا کسی حکمِ شرعی پر متفق ہوجانا "اجماع" ہے۔

"اجماع" فقہ کا تیسرا ماٰخذ اور احکامِ شرعیہ کے چار دلائل میں سے ایک ہے، جس مسئلہ کے شرعی حکم پر اجماع منعقد ہوگیا ہو اسے "اجماعی فیصلہ" یا "مسئلہ اجماعیہ" یا "مسئلہ مجمع علیہا" کہا جاتا ہے، اس کی حیثیت احکامِ شرعیہ کی دلیل اور فقہ کا ماٰخذ ہونے کے اعتبار سے وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی ہے، کہ سُنّت کی طرح اس کی بھی بعض قسمیں ظنی اور بعض قطعی ہوتی ہیں، جن کی ضروری تفصیل آگے آئے گی۔

اجماع کو خود قرآن و سُنّت نے حُجّت قرار دیا ہے

قرآن و سُنّت نے مسلمانوں پر اجماع کی پیروی ایسی ہی لازم کی ہے جیسی وحی سے ثابت شدہ احکام کی، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر شریعت کے احکام بذریعہ وحی آنے کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجانے والا تھا، ادھر یہ شریعت قیامت تک نافذ رہنے والی اور طرح طرح کے نت نئے مسائل امت کو قیامت تک پیش آنے والے تھے، لہٰذا آئندہ کے مسائل شرعی اصول پر حل کرنے کا انتظام اللہ جل شانہٗ نے یہ فرمادیا کہ خود قرآن و سُنّت میں ایسے اصول اور نظائر رکھ دیئے جن کی روشنی میں غور و فکر کرکے ہر زمانہ کے مجتہدین اس وقت کے پیدا شدہ مسائل کا شرعی حکم معلوم کرسکیں، اور جو فیصلہ قرآن و سُنّت کی روشنی میں وہ اپنے متفقہ اقوال یا افعال سے کردیں اس کی

---

[1] اس قید کی صراحت امام رازی نے المحصول میں کی ہے ص ۶۱ ج ۴۔ نیز تسہیل الوصول میں بھی اس کی صراحت ہے۔ ص ۱۶۷۔

پیروی بعد کے مسلمانوں پر خود قرآن و سُنّت کے ذریعہ لازم اور اس کی خلاف ورزی حرام قرار دے دی گئی۔

قرآن و سُنّت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعزاز صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اُمّت کو ملا ہے، کہ اس کے مجموعہ کو اللہ تعالیٰ نے دینی امور میں ہر خطاء ولغزش سے معصوم اور محفوظ فرما دیا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اس امت کے کسی فرد سے دینی امور میں غلطی نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ بات تو ہر وقت مشاہدہ میں آتی ہے کہ اس امت میں بھی ہر قسم کے لوگ ہیں، نیکوکار متقی بھی ہیں، فاسق و فاجر بھی۔ ہر مسلمان سے بلکہ علماء و صلحاء سے بھی فرداً فرداً بہت سے دینی امور میں غلطی ہو جاتی ہے، لہٰذا امت کا ہر فرد تو خطاء ولغزش سے معصوم نہیں، مگر امّت کا مجموعہ معصوم ہے یعنی پوری امت بحیثیتِ مجموعی مُتّفقہ طور کوئی ایسا فیصلہ یا عمل نہیں کر سکتی جو قرآن و سُنّت اور اللہ کی مرضی کے خلاف ہو، جس طرح قرآن و سُنّت کا کوئی فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا اسی طرح اجماعی فیصلہ جو قطعی درجہ کا ہو غلط نہیں ہو سکتا، بعد کے تمام مسلمانوں پر اس کی پابندی لازم ہے۔

حُجّیّتِ اجماع بر آیاتِ قرآنیہ

چنانچہ قرآنِ کریم نے بتایا کہ آخرت میں جو سزا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والوں کو ملے گی، وہی سزا اُن لوگوں کو دی جائے گی جو مؤمنین کا متفقہ دینی راستہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں گے، ارشاد ہے[۱]:۔

(۱) وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ — "اور جو شخص رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[۱] الاحکام فی اصول الاحکام، ص ۱۰۳ تا ص ۱۰۷، ج ۱، و تفسیر معارف القرآن ص ۲۷۲ تا ۲۷۳، ج ۲۔

مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ہ (نساء: ۱۱۵)

کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر ظاہر ہو چکا ہو، اور سب مسلمانوں کے (دینی) راستہ کے خلاف چلے گا تو ہم اس کو (دنیا میں) جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور (آخرت میں) اس کو جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔"

معلوم ہوا کہ اُمّت کے متفقہ فیصلہ (اجماع) کی مخالفت گناہِ عظیم ہے۔

(۲) قرآن کریم نے اس امّت کے مجموعہ کو یہ مژدہ سنایا ہے کہ :-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (بقرہ : ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تم کو ایسی اُمّت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور تمہارے (قابلِ شہادت اور معتبر ہونے کے) لئے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ بنیں۔"

معلوم ہوا کہ اس اُمّت کے جو اقوال و اعمال متفقہ طور پر ہوں وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست اور حق ہیں، کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کیا جائے تو اس ارشاد کے کوئی معنی نہیں رہتے، کہ یہ امّت "نہایت اعتدال پر ہے۔" نیز اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کو گواہ قرار دے کر دوسرے لوگوں پر اس کی بات کو حجّت قرار دیا ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ اس امّت کا اجماع حجّت ہے۔ اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجماع کا حجت ہونا صرف صحابہؓ یا تابعینؒ کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر زمانہ کے مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے، کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت صرف صحابہؓ و تابعینؒ نہ تھے بلکہ قیامت تک

آنے والی نسلیں جو مسلمان ہیں وہ سب آپؐ کی امت ہیں، تو ہر زمانہ کے مسلمان اللہ کے گواہ ہو گئے جن کا قول حجت ہے، وہ سب کسی غلط کاری یا گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے۔[۱]

(۳) قرآن حکیم ہی نے اس اُمت کو "خَیْرُ الْاُمَم" قرار دے کر اس کی صفت یہ بتائی ہے کہ وہ اچھے کاموں کا حکم دیتی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے، ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (آل عمران: ۱۱۰)	"تم سب سے بہترین امت ہو جو لوگوں کے (نفعِ ہدایت پہنچانے کے) لئے ظاہر کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

پچھلی آیت کی طرح اس آیت میں بھی پوری امت سے بحیثیت مجموعی خطاب ہے، اور اس میں تین طریقوں سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اس امت کا اجماع شرعی حجت اور فقہی دلیل ہے۔

اوّل یہ کہ اس امت کو ظاہر ہے کہ بہترین امت اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس امت کا مجموعہ دین کی صحیح تعلیمات پر قائم رہے گا، اگرچہ اس کے بہت سے افراد الگ الگ دین پر کمزور بلکہ بہت کمزور رہیں، مگر ہر زمانہ میں اس امت کا مجموعہ مل کر اللہ کے دین کو مکمل طور پر تھامے رہے گا، پورا مجموعہ کبھی گمراہ نہ ہو گا، لہٰذا

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے احکام القرآن للجصاص، ص ۱۰۱ تا ص ۱۰۴ ج اول مطبوعہ مصر ۱۳۴۷ھ و تفسیر معارف القرآن، ص ۳۷۲ تا ص ۳۷۳ ج اول۔

ان کا اجماع بھی لامحالہ حجّت ہوگا، اس لئے کہ اگر ان سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کیا جائے تو وہ اتفاق گمراہی پر ہوگا، پھر ایک گمراہ امت بہترین امت کیسے ہوسکتی ہے؟[1]

دوسرے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے متعلق یہ تصدیق فرمادی ہے کہ "یہ نیک کاموں کا حکم دیتی ہے" معلوم ہوا کہ جس کام کا یہ حکم دے گی وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور نیک کام ہوگا، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ امت متفقہ طور پر جس کام کا حکم دے گی چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہے، لہٰذا اس کی پابندی سب پر لازم ہوگی۔

تیسرے اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہ امت بُرے کاموں سے منع کرتی ہے، معلوم ہوا کہ جس کام سے یہ امت متفقہ طور پر منع کردے، وہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور بُرا ہے، اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

الحاصل اس امت کا اجماعی فیصلہ خواہ کسی کام کے کرنے کا ہو یا کسی کام سے باز رہنے کا، ہر صورت میں وہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگا[2]، ورنہ اگر ان کے فیصلہ کو غلط قرار دیا جائے یعنی جس کام کا اس نے حکم دیا اسے بُرا سمجھا جائے اور جس کام سے منع کیا اسے اچھا سمجھا جائے تو لازم آئے گا کہ یہ امت برائی کا حکم دینے والی اور اچھائی سے منع کرنے والی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات

---

[1] احکام القرآن للجصاص، ص ۴۱ ج ۲، اور تسہیل الوصول، ص ۲۷۴۔

[2] یہ سب تفصیل بھی شیخ ابوبکر جصاص رازیؒ نے "احکام القرآن" (ص ۴۱ ج ۲) میں ذکر فرمائی ہے۔

اس آیت کے صریح خلاف ہے[1]

(۴) قرآن کریم کا حکم ہے کہ :-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران: ۱۰۳)

"اور اللہ کی رسّی (دین) کو سب مِل کر مضبوطی سے پکڑے رہو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔"

اور ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کے متفقہ دینی فیصلے (اجماع) کی مخالفت اُمّت میں پھوٹ ہی ڈالنا ہے، جس سے قرآن کریم نے واضح طور پر ممانعت فرمائی ہے[2]۔

فقہاء کا اختلاف، اس حکم کے منافی نہیں

رہا یہ سوال کہ فقہ کے بیشمار مسائل میں فقہاءؒ کا آپس میں اختلاف ہوا ہے، لہٰذا وہ بھی اس آیت کی رُو سے ناجائز ہونا چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ فقہاء کا اختلاف جن مسائل میں ہوا ہے اُن میں سے کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جس کا صریح فیصلہ قطعی طور پر قرآن وسنت سے یا اجماعِ امت سے ثابت ہو چکا ہو۔ فقہاء کا اختلاف صرف اُن فروعی مسائل میں ہوا ہے جن میں قرآن وسنّت کا کوئی صریح اور قطعی فیصلہ موجود نہیں تھا، یا جن کے متعلق خود احادیث میں اختلاف پایا جاتا تھا، اور ان پر امّت کا اجماع بھی منعقد نہیں ہوا تھا، لہٰذا فقہاء کا یہ اختلاف اس آیت کی ممانعت میں داخل نہیں بلکہ فروعی مسائل میں اجتہادی نوعیت کا ہے جو صحابۂ کرامؓ کے زمانہ سے چلا آرہا ہے، خود عہدِ رسالتؐ میں بھی فروعی مسائل میں صحابہؓ کا اختلاف ہوا ہے، جس کی بہت سی مثالیں کتبِ حدیث

---

[1] مزید تفصیل کے لئے کتاب "الاِحکام فی اصول الاَحکام" (ص ۱۰۹ تا ص ۱۱۱ ج اول) ملاحظہ فرمائی جائے۔

[2] کتاب "الاِحکام فی اصول الاَحکام" ص ۱۱۱ ج اول، وتفسیر قرطبی ص ۱۶۴ ج ۴۔

میں موجود ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کبھی مذمت نہیں فرمائی، بلکہ ایسے اختلاف کو امت کے لئے رحمت قرار دیا ہے، اور جس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہو وہ مسئلہ ظنی یا اجتہادی نہیں رہتا بلکہ قطعی ہو جاتا ہے، اس سے اختلاف کرنا فقہاء مجتہدین کو بھی جائز نہیں، کیونکہ اس کی مخالفت درحقیقت امت میں پھوٹ ڈالنا ہے، جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔

(۵) يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ — "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔"

(توبہ: ۱۱۹)

❖ ❖ ❖ ❖ ❖

اس آیت میں ہر زمانہ کے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ سچے لوگوں "الصادقین" کے ساتھ رہیں، جس کا مقصد ظاہر ہے کہ یہ ہے کہ اعمال میں ان کی پیروی کی جائے رہا یہ سوال کہ "صادقین" سے کیسے لوگ مراد ہیں؟ تو اس کا جواب خود قرآن کریم ہی نے سورۂ بقرہ کی آیت (نمبر ۱۷۷) لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ——— تا ——— اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ میں دیا ہے، وہاں صادقین کی صفات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ صادقین وہ حضرات ہیں جو اعتقاد کے بھی سچے ہوں، قول و عمل کے بھی اور ظاہر و باطن کے بھی۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس[1] آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صادقین کا وجود ہر زمانہ میں باقی رہے گا، ورنہ اُن کے ساتھ رہنے کا حکم ہر زمانہ کے تمام مسلمانوں کو نہ دیا جاتا، کیونکہ اسلام نے کسی کو ایسا حکم نہیں دیا جس پر عمل کرنا اس کی قدرت سے باہر ہو، تو اس آیت سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ صادقین

---

[1] تفسیر کبیر، ص ۵۱۳ ج ۴۔

ہر زمانہ میں موجود رہیں گے تو یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ کسی زمانہ کے سب مسلمان کسی غلط کاری یا گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ کچھ لوگ بلکہ اکثر لوگ بھی اگر کوئی غلط کام یا فیصلہ کرنا چاہیں گے تو اس زمانہ کے صادقین اس سے اتفاق نہیں کر سکتے" معلوم ہوا کہ امت کا اجماعی فیصلہ کبھی گمراہی اور بے دینی کی بات پر یا حق کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

حُجّیّتِ اِجماع پر اَحادیثِ مُتواترہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اجماع کی حقانیت کو اور زیادہ صراحت و تاکید سے بیان فرمایا، اس سلسلہ کی احادیث اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا مجموعہ حدِ تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔[1]

تواتر کیا ہے؟ اور "حدیثِ متواتر" کیا؟ آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔

تواتر کی حقیقت

تواتر کی حقیقت یہ ہے کہ

"کسی محسوس واقعہ (مثلاً کسی کے فعل یا قول وغیرہ) کو خود دیکھنے یا سننے والوں کی ایسی بڑی تعداد اس واقعہ کی خبر دے کہ ان سب کا جھوٹ پر یا غلطی پر متفق ہونا محال سمجھا جائے۔ یعنی عقل یہ باور نہ کرے کہ ان سب نے سازش کر کے جھوٹ بول دیا ہوگا، یا سب کو

---

[1] المحصول ص ١٠٩ ج ۴۔

مغالطہ لگ گیا ہوگا۔[۱]

جو خبر اس طرح تواتر سے ثابت ہو، اُسے "متواتر" کہا جاتا ہے۔ پھر وہ واقعہ اگر اتنا پرانا ہے کہ اُس واقعہ کے بعد ہمارے زمانے تک مثلاً کئی نسلیں گذر چکی ہیں، تو ہمارے حق میں اُس خبر کے "متواتر" ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جب سے وہ واقعہ رُونما ہوا، اُس وقت سے اب تک بھی ہر زمانے میں لوگوں کی ایسی بڑی تعداد اُس کو پے در پے نقل کرتی چلی آئی ہو کہ اُن سب کا جھوٹ پر یا غلطی پر متفق ہونا محال سمجھا جائے۔[۲]

تواتر کے لئے خبر دینے والوں کا مسلمان، یا متقی پرہیزگار ہونا ضروری نہیں، وہ مسلمان ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بدکار، ہر صورت میں اگر اُن کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ ان کا جھوٹ پر یا غلطی پر متفق ہونا محال سمجھا جائے تو ان کی دی ہوئی خبر کو "خبرِ متواتِر" کہا جائے گا۔ اور اُس خبر سے اُس واقعہ کا علمِ یقینی حاصل ہو جائے گا، البتہ خبر دینے والے اگر متقی پرہیزگار ہوں گے تو ان کی نسبۃً تھوڑی تعداد سے علمِ یقینی حاصل ہو جائے گا، اور فاسق ہوں گے تو بہت بڑی تعداد سے علمِ یقینی حاصل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ خبر دینے والوں کی کوئی خاص تعداد "تواتر" کے لئے مقرر نہیں، بس جتنے لوگوں کی خبر سے کسی واقعہ کا یقین اور علمِ قطعی حاصل ہو جائے اتنے ہی لوگوں کی خبر کو "متواتر" کہا جائے گا۔[۳]

---

[۱] دیکھئے فتح الملہم ص ۵ تا ص ۶ ج اول۔ والتوضیح والتلویح ص ۲ و ۳ ج ۲۔ والاحکام فی اصول الاحکام ص ۱۵۱ ج اوّل۔ وتسہیل الوصول ص ۱۴۰۔

[۲] حوالۂ بالا۔

[۳] قمر الاقمار، حاشیہ نور الانوار ص ۱۷۶ نیز دیکھئے فتح الملہم ص ۵ ج اوّل، والاحکام ص ۱۵۱ تا ۱۵۸ ج اول والتلویح ص ۲ ج ۲۔ وتسہیل الوصول ص ۱۴۰۔

جب بہت سے لوگوں کی خبر سے ہمیں اُس واقعہ کا پختہ یقین ہو جائے تو سمجھ گئے کہ اُن کی تعداد "حدِ تواتر" کو پہنچی ہوئی ہے، یہ نہیں کہ کسی خاص تعداد کی بنا پر اُس خبر کے "متواتر" ہونے کا فیصلہ کیا جائے[1]

خبرِ متواتر کا فائدہ

"خبرِ متواتر" دنیا کے تمام قابلِ ذکر اہلِ عقل کے نزدیک قطعی، سچی اور یقینی خبر مانی جاتی ہے، ایسی خبر سے جو واقعہ ثابت ہو، اُس کے ثبوت کو بالاتفاق ہر شک و شبہ سے بالاتر تسلیم کیا جاتا ہے، اور اس سے ایسا ہی یقینی اور قطعی علم حاصل ہوتا ہے، جیسا اُس واقعہ کو خود دیکھنے سے حاصل ہوتا[2]

مثلاً ہم نے نیویارک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، مگر امریکہ کے اس شہر کا ذکر اور اس کے متفرق حالات اتنے لوگوں سے سُنے ہیں کہ عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ نیویارک کوئی شہر ہی نہ ہو، اور جتنے لوگوں اور اخبارات و رسائل، اور ریڈیو وغیرہ نے ہمیں اُس کے حالات بتائے اُن سب نے سازش کر کے متفقہ طور پر

[1] فتح الملہم ص ۵ ج اول ۔ والإحکام ص ۱۵۷ تا ۱۵۸ ج اول ۔ والتلویح ص ۲ ج ۲ وتسہیل الوصول ص ۱۴۰ ۔

[2] یہ ایک مسلّم قاعدۂ کلیہ ہے، جس میں کسی دین و مذہب، یا کسی قوم کا اختلاف نہیں ملتا، سوائے برہمنوں اور "سمنیہ" کے کہ اُن کا یہ عجیب و غریب قول اصولِ فقہ کی بعض کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ "علمِ یقینی صرف مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے، کسی بھی قسم کی خبر سے علمِ یقینی حاصل نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ خبر "متواتر" ہی ہو" مگر یہ قول بداہت کے خلاف ہونے کے باعث قابلِ التفات نہیں، جیسا کہ آگے مثال سے واضح ہوگا ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو التلویح ص ۳ ج ۲ ۔ والإحکام ص ۱۵۱ تا ۱۵۳ ج اول ۔

جھوٹ بولا ہو، یا سب ہی بتانے والوں کو یہ مغالطہ لگ گیا ہو کہ وہ پاکستان کے کسی گاؤں کو امریکہ کا عظیم شہر نیو یارک سمجھ بیٹھے ہوں۔ یہ "خبر متواتر" ہی ہے جس کی بنا پر ہم نیو یارک کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر، امریکہ کا بڑا شہر یقین کرنے پر مجبور ہیں۔ حتیٰ کہ اس یقین کو ہم اپنے ذہن و حافظہ سے مٹانے پر بھی قادر نہیں [۱]۔

"خبر متواتر" کی یہی وہ قوت ہے، جسے اسلام نے بھی تسلیم کیا، اور "خبر متواتر" کے ثبوت کو جھوٹ اور بھول چوک کے ہر شبہ سے بالاتر اور ایسا ہی یقینی قرار دیا ہے جیسا خود دیکھنا اور سننا یقینی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے کئی آیات میں تواتر سے حاصل ہونے والے علم کو "رؤیت" (دیکھنے) سے تعبیر فرمایا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ

① اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۞ (الفیل: ۱)	"کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا؟"
② اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ۞ (الفجر: ٦)	"کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے (قوم) عاد کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟"

اہل مکہ کے بارے میں ارشاد ہے:

③ اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ (انعام: ٦)	"کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم اُن سے پہلے کتنی جماعتوں کو (عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں؟"

ظاہر ہے یہ واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مشاہدہ نہیں فرمائے تھے کیونکہ یہ سب واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے

---

[۱] خبر متواتر سے جو علم یقینی قطعی حاصل ہوتا ہے، اصطلاح میں اسے "علم ضروری" کہا جاتا ہے

پہلے کے ہیں۔ اصحاب الفیل کا واقعہ آپ کی ولادت باسعادت سے پچاس یا پچپن روز قبل ہُوا تھا، اور آپ کے زمانہ میں اتنا مشہور تھا کہ مکہ مکرمہ میں بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ اور قومِ عاد اور دیگر قوموں پر عذاب کے واقعات اس سے بھی بہت پہلے کے ہیں، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر اہلِ مکہ کے حق میں اِن واقعات کے مشاہدے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ اِن واقعات کا علم ان کو "تواتر" سے حاصل ہوا تھا، اسی علم کو قرآنِ حکیم نے "رؤیت" (دیکھنے) سے تعبیر فرما کر اشارہ کر دیا کہ جو علم تواتر سے حاصل ہو وہ بھی مشاہدے کی طرح یقینی اور قطعی ہوتا ہے[2]

احادیثِ متواترہ

"تواتر" اور "خبرِ متواتر" کی حقیقت سامنے آجانے کے بعد اب یہ عرض کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد یا عمل ہم تک "تواتر" سے نقل ہوتا ہوا پہنچا ہے، اُسے بھی "خبرِ متواتر" کہا جاتا ہے، نیز اسے "حدیثِ متواتر" اور "سنّتِ متواترہ" بھی کہا جاتا ہے۔ "حدیثِ متواتر" کی جمع "احادیثِ متواترہ" ہے۔

جس طرح دوسری وہ تمام خبریں جو تواتر سے ثابت ہوں، تمام اہلِ عقل کے نزدیک یقینی اور قطعی ہوتی ہیں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی "احادیثِ متواترہ" بھی یقینی اور قطعی ہیں، یعنی اُن کے متعلق یہ علم و یقین قطعی طور پر

---

[1] سیرۃ المصطفیٰ ص ۴۰ ج اوّل، بحوالہ زرقانی۔

[2] فتح الملہم ص ۵ ج اوّل۔

حاصل ہے کہ وہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں، انہیں نقل کرنے میں راویوں سے نہ بھول چوک ہوئی ہے، نہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔

خبرِ متواتر کی دو قسمیں

خبرِ متواتر کی بڑی قسمیں دو ہیں۔ (۱) متواترِ لفظی (۲) متواترِ معنوی
دونوں قسموں سے علمِ یقینی قطعی حاصل ہوتا ہے[۱]

(۱) متواترِ لفظی وہ خبرِ متواتر ہے جس کے الفاظ تمام راویوں نے یکساں ذکر کئے ہوں، مثلاً قرآنِ کریم کہ اُس کا ایک ایک حرف، بلکہ زبر زیر پیش بھی تواترِ لفظی سے ثابت ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک بھی متواترِ لفظی ہے کہ

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا "جس نے میرے متعلق قصداً کذب بیانی کی،
فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ اُس کا ٹھکانہ آگ ہے"

اس حدیثِ نبوی کو ستّر سے زیادہ صحابۂ کرام اِسی متن[۲] کے ساتھ روایت کیا ہے، اور اُن سے اب تک پے در پے روایت کرنے والوں کی تعداد ہر زمانے میں بڑھتی ہی چلی گئی ہے[۳]، جن کو اب شمار میں لانا بھی آسان نہیں۔

(۲) متواترِ معنوی یہ ہے کہ راویوں کی ایسی بڑی تعداد نے جو حدِّ تواتر کو پہنچی ہوئی ہو کسی خبر یا واقعہ کو مختلف الفاظ اور مختلف تفصیلات کے ساتھ

---

[۱] فتح الملہم ص ۵ تا ص ۶ ج اوّل۔

[۲] فتح الملہم ص ۵ ج اوّل۔

[۳] حوالۂ بالا۔

بیان کیا ہو، لیکن یہ سب راوی اُس واقعہ یا خبر کے کسی ایک جز کو بیان کرنے میں متفق ہوں، یعنی ان کی خبریں اگرچہ الفاظ اور تفصیلات میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں، لیکن کوئی ایک مضمون قدرِ مشترک کے طور پر ان تمام خبروں کے ضمن میں متفقہ طور پر پایا جاتا ہو، تو اس مشترک مضمون کو، جو اِن تمام لوگوں کی مختلف خبروں میں متفقہ طور پر پایا جارہا ہے کہا جائے گا کہ یہ "متواترِ معنوی" ہے، یعنی اس واقعہ کی تمام تفصیلات اگرچہ متواتر نہیں، لیکن یہ مشترک مضمون "متواتر" ہے۔

مثلاً حاتم طائی کے زمانے سے آج تک اُس کی سخاوت اور داد و دہش کی مختلف تفصیلات اتنے لوگوں کی زبان پر ہیں کہ اُن کی کثرت حدِّ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے، مثلاً کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے بہت سارے اونٹ لوگوں میں مفت تقسیم کئے، کچھ لوگوں نے بتایا کہ بہت سے گھوڑے تقسیم کئے، کچھ لوگوں نے بیان کیا کہ بکریوں کے اتنے ریوڑ فقراء کو دیئے، کچھ لوگوں نے کچھ اور تعداد بیان کی، کچھ لوگوں نے کہا کہ کپڑوں کے اتنے جوڑے دیئے، کچھ لوگوں نے دینار اور کچھ لوگوں نے دراہم دینے کے بہت سے مختلف واقعات بیان کئے، اور کچھ لوگوں نے اس کے کھانا کھلانے کے بہت سارے واقعات سنائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بے شمار خبریں، اپنے الفاظ اور تفصیلات میں اگرچہ باہم مختلف ہیں، لیکن ایک مشترک مضمون اِن سب خبروں کے ضمن میں متفقہ طور پر پایا جارہا ہے اور وہ ہے " حاتم طائی کی سخاوت اور داد و دہش"۔ پس یہ بات کہ "حاتم طائی سخی تھا، اور داد و دہش بہت کرتا تھا" متواترِ معنوی ہے۔ یعنی اس کی سخاوت اور داد و دہش کی جو جو تفصیلات ہم نے سُنی ہیں وہ تفصیلات اگرچہ "متواتر" نہیں، کیونکہ ہر تفصیل کو روایت کرنے والوں کی تعداد حدِّ تواتر سے کم ہے چنانچہ اُن میں غلطی اور جھوٹ کا احتمال ہے، لیکن " حاتم کی سخاوت اور داد و دہش" جو اِن تمام راویوں کی بیان کردہ تفصیلات کے ضمن میں متفقہ طور پر پائی جارہی ہے وہ "متواتر" ہے،

اور یقینی ہے، کیونکہ ان سب راویوں کی مجموعی تعداد حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔

متواترِ معنوی کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، اپنے حافظے کی معلومات کا اگر آپ جائزہ لیں تو جن خبروں کے سچے ہونے کا آپ کو یقینِ کامل اور علم قطعی حاصل ہے ان میں سیکڑوں معلومات اسی "متواترِ معنوی" کی رہینِ منت نظر آئیں گی، مثلاً تاریخ کی بڑی بڑی مشہور جنگوں، دُنیا کی بڑی بڑی مشہور قوموں، بہت سے عظیم الشان شہروں اور اہم شخصیات کو دیکھے بغیر اُن کے وجود کا علم یقینی ہم کو "متواترِ معنوی" کی بدولت ہوا ہے۔ سلطان ٹیپو کو ہم نے نہیں دیکھا، مگر تواترِ معنوی سے ہم کو اتنی بات یقینی اور قطعی طور پر معلوم ہے کہ اُس نے میسور میں انگریزوں کی یلغار روکنے کے لئے عظیم مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے تھے۔ یہ یقین اتنا مستحکم ہے کہ دانستہ جھوٹ بولے بغیر ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، ان میں بھی بیشتر احادیث "متواترِ معنوی" ہیں[1] "متواترِ لفظی" کی مثالیں احادیثِ نبویہ میں شاذ و نادر ہیں۔ مگر "متواترِ لفظی" کی طرح "متواترِ معنوی" بھی یقینی اور قطعی ہوتی ہے[2]، یعنی جو خبر "تواترِ معنوی" سے ثابت ہو اُس سے بھی اُس واقعہ کا ایسا ہی یقینی اور قطعی علم حاصل ہوتا ہے جیسا خود دیکھنے سے حاصل ہوتا۔

آمدم برسرِ مطلب

تواتُر، اور خبرِ متواتِر کا بیان ہمیں کسی قدر تفصیل سے یہاں اس لئے کرنا پڑا کہ

---

[1] مثلاً چمڑے کے موزوں (خُفّین) پر مسح کی احادیث۔ قمرالاقمار، ص ۱۷۶

[2] فتح الملہم ص ۵ تا ص ۶ ج اوّل

اجماع کے حجّت ہونے پر ائمہ، مجتہدین، علماء اصولِ فقہ، اور محدثین کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ "متواترِ معنوی" ہیں[1] اسی "متواترِ معنوی" کی وضاحت کے لئے ہمیں تواتر کی یہ پوری بحث درمیان میں لانی پڑی۔ تاکہ یہ سمجھنا آسان ہو کہ یہ احادیث "متواترِ معنوی" کیوں ہیں؟

حجّیتِ اجماع کی احادیث متواترِ معنوی ہیں

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جن احادیث سے اجماع کے حجّت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے ان میں سے جو احادیث احقر کو چند روزہ تلاش سے دستیاب ہو گئیں انہی کو روایت کرنے والے صحابۂ کرامؓ کی تعداد مجموعی طور پر چوالیس ۴۴ ہے، مزید اہتمام سے جستجو کی جائے تو نہ جانے کتنی حدیثیں جو کتنے ہی مزید صحابۂ کرامؓ نے روایت کی ہوں گی، اور مل جائیں، بہرحال وہ صحابۂ کرام جن کی روایتیں اس ناچیز کو چند روز کی تلاش سے ملی ہیں یہ ہیں :-

(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی (۵) حضرت سعد بن ابی وقاص (۶) حضرت عبداللہ بن مسعود (۷) حضرت معاذ بن جبل (۸) حضرت زید بن ارقم (۹) حضرت حذیفہ بن الیمان، (۱۰) حضرت ابوذر غفاری (۱۱) حضرت جابر بن عبداللہ (۱۲) حضرت معاویہ (۱۳) حضرت مغیرۃ بن شعبہ (۱۴) حضرت ابوالدرداء (۱۵) حضرت جابر بن سمرہ، (۱۶) حضرت عبداللہ بن عمر (۱۷) حضرت ابوہریرہ (۱۸) حضرت انس (۱۹) حضرت ابن عباس (۲۰) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (۲۱) حضرت ابوسعید خدری

---

[1] التقریر والتحبیر شرح التحریر ص ۸۵ ج ۳ ۔ والمحصول ص ۱۴۰ ج ۴

(۲۲) حضرت جبیر بن مطعم (۲۳) حضرت زید بن ثابت (۲۴) حضرت عائشہ، (۲۵) حضرت ابو مسعود انصاری (۲۶) حضرت ثوبان (۲۷) حضرت ابو مالک اشعری (۲۸) حضرت عقبہ بن عامر (۲۹) حضرت نعمان بن بشیر (۳۰) حضرت عوف بن مالک (۳۱) حضرت عمرو بن عوف (۳۲) حضرت عامر بن ربیعہ (۳۳) حضرت اسامہ بن شریک (۳۴) حضرت عرفجہ (۳۵) حضرت ابو امامہ (۳۶) حضرت حارث اشعری (۳۷) حضرت قدامۃ بن عبداللہ بن عمار الکلابی (۳۸) حضرت فضالۃ بن عُبَید (۳۹) حضرت ابو بصرہ (۴۰) حضرت مرۃ البہزی (۴۱) حضرت قرہ (۴۲) حضرت ابو قرصافہ (۴۳) حضرت عمران بن الحصین (۴۴) حضرت سعد بن جنادۃ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان میں سے بعض صحابۂ کرامؓ نے توجحیتِ اجماع کے متعلق کئی کئی حدیثیں روایت کی ہیں۔ پھر صحابۂ کرامؓ کے بعد اُن احادیث کے راویوں کی تعداد ہر زمانہ میں بڑھتی ہی چلی گئی ہے، ان میں سے ہر حدیث اگرچہ الگ الگ خبر واحد (غیر متواتر) ہے اور ان کے الفاظ اور بعض مضامین بھی یکساں نہیں ہیں مگر اتنی بات ــ جیساکہ آپ آگے ملاحظہ فرمائیں گے ــــ ان سب احادیث میں مشترک اور متواتر[1] پائی جاتی ہے کہ تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ یا عمل ہر خطا و لغزش سے پاک ہے، لہٰذا اس نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی شُبہ نہیں رہتا کہ حجیّتِ اجماع کی احادیث کا مجموعہ متواتر ہے، یہ اور بات ہے کہ یہ تواتر لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے، مگر معنوی ہونے سے فرق اس لئے نہیں پڑتا کہ تواتُر، خواہ لفظی ہو یا معنوی، دونوں ہی قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ جیساکہ اُوپر تواتُر کی بحث میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔ اس طرح

---

[1] التقریر والتحبیر شرح التحریر، ص ۸۵ ج ۳، والمحصول ص ۱۱۴ (القسم الاول من الجزء الثانی) ج ۴۔

اجماع کا حجت ہونا "تواترِ معنوی" سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوجاتا ہے۔ یعنی یہ بات یقینی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ تمام مسلمانوں کے متفقہ فیصلے اور عمل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاء و لغزش سے پاک قرار دیا ہے۔ یہاں اُن سب احادیث کے الفاظ الگ الگ نقل کرنے کا تو موقع نہیں، اس لئے ہر مضمون کی صرف ایک ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے اُسی مضمون کی دوسری حدیثیں قدرے مختلف الفاظ میں روایت کرنے والے صحابۂ کرامؓ کے صرف اسمائے گرامی مع حوالہ ذکر کئے جائیں گے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کے متعلق کوئی صریح حکم یا ممانعت (قرآن و سنّت میں) موجود نہ ہو تو میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:۔

شاوروا فیہ الفقہاء والعابدین	"کہ اُس معاملہ میں تم فقہاء اور عابدین
ولا تُمضوا فیہ رأی خاصۃٍ	سے مشورہ کرو، اور کسی شخصی رائے
(الطبرانی فی الاوسط ورجالہ	کو نافذ نہ کرو۔"

موثقون من اھل الصحیح

کذا فی مجمع الزوائد[۱])

معلوم ہوا کہ کسی زمانہ کے فقہاء و عابدین متفقہ طور پر جس چیز کا حکم دیں یا ممانعت کریں، اس کی مخالفت جائز نہیں، کیونکہ ان کا متفقہ فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا۔

---

[۱] مجمع الزوائد باب فی الاجماع، ص ۱۷۸ ج اوّل

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ :-

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ	"میری امت میں ایک جماعت (قرب)
یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ	قیامت تک حق کے لئے سربلندی کے ساتھ
اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ ۔	برسرپیکار رہے گی"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ مزید بارہ[۱۲] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ (جس سے معنی نہیں بدلتے) روایت کیا ہے، ان حضرات کی روایتیں صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ مستند کتب حدیث میں مذکور ہیں، وہ بارہ[۱۲] صحابۂ کرام یہ ہیں :-

(۱) حضرت مغیرہ بن شعبہ[۲] (۲) حضرت ثوبان[۳] (۳) حضرت عقبہ بن عامر[۴]

---

[۱] مسلم شریف کتاب الایمان "باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام" ص ۸۷ ج اول، وکتاب الامارۃ "باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ الخ" ص ۱۴۳ ج ۲ -

[۲] صحیح بخاری کتاب الاعتصام، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لا تزال طائفۃ من امتی الخ" ص ۱۰۸۷ ج ۲، وصحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ الخ ص ۱۴۳ ج ۲

[۳] سنن ابی داؤد کتاب الفتن، ص ۵۸۳ و ۵۸۴ ج ۲، وسنن ابن ماجہ ابواب الفتن باب ما یکون من الفتن، ص ۲۸۳، وصحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ الخ ص ۱۴۳ ج ۲

[۴] صحیح مسلم کتاب الامارۃ، باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم "لا تزال طائفۃ من امتی الخ" ص ۱۴۴ ج ۲ -

④ حضرت عمر فاروقؓ ⑤ حضرت جابر بن سمرہ ⑥ حضرت ابو ھریرہؓ
⑦ حضرت زید بن ارقم ⑧ حضرت ابو امامہ ⑨ حضرت مرۃ البہزی
⑩ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ⑪ حضرت عمران بن الحصینؓ ⑫ حضرت قرہ،
رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امام بخاریؒ کی رائے ہے کہ اس حدیث میں جس جماعت کا ذکر ہے اس سے مراد اہل علم ہیں، بہرحال اس حدیث میں صراحت ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہر زمانہ میں حق پر قائم رہے گی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس اُمّت کا مجموعہ کبھی کسی گمراہی یا غلط کاری پر متفق نہیں ہو سکتا۔

③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خطبہ دیتے ہوئے مجمع عام میں سُنایا کہ:۔

لہ حضرت عمرؓ سے حضرت مرۃ البہزی رضی اللہ عنہما تک چھ حضرات صحابہ کی روایتیں علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں اسانید و متون اور اصل مآخذ کے حوالوں کے ساتھ نقل فرما کر سب کی توثیق فرمائی ہے، البتہ صرف حضرت مُرّۃ البہزی رضی اللہ عنہ کی روایت جو طبرانی کے حوالہ سے نقل کی ہے اس کی سند کے متعلق یہ کہا ہے کہ "وَفِيهِ جَمَاعَةٌ لَمْ أَعْرِفْهُمْ"۔ دیکھئے مجمع الزوائد ص ۲۸۷ تا ۲۸۹ ج ۷۔

لہ صحیح مسلم کتاب الامارہ، باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ الخ ص ۱۴۴ ج ۲۔

لہ سنن ابو داؤد کتاب الجہاد، باب دوام الجہاد، ص ۳۳۶ ج ۱۔

لہ جامع ترمذی ص ۵۲ ج ۲، ابواب الفتن باب ما جاء فی اہل الشام۔

ھ صحیح بخاری کتاب العلم باب "من یرد اللہ بہ خیرًا" الخ ص ۱۶ ج اوّل، وکتاب الاعتصام، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ من امتی الخ ص ۱۰۸۷ ج ۲، و صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ من امتی الخ ص ۱۴۳، ۱۴۴ ج ۲

لَنْ يَّزَالَ اَمْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مُسْتَقِيْمًا حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ ۔ "اس اُمت کی حالت قیامت تک سیدھی اور درست رہے گی۔"

معلوم ہوا کہ پوری اُمت کا مجموعہ کبھی کسی غلط بات پر متفق نہیں ہو سکتا۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اجماع کے حجت ہونے پر سب سے زیادہ صریح ہے، کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِيْ اَوْقَالَ "اُمَّةَ مُحَمَّدٍ" عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ اِلَى النَّارِ ۔ "اللہ میری اُمت کو کسی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ جماعت (مسلمین) پر ہے، اور جو الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آٹھ صحابۂ کرام نے تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ نقل کیا ہے، کسی نے تفصیل سے کام لیا ہے کسی نے اختصار سے، مگر اتنا مضمون ان سب صحابۂ کرام نے نقل فرمایا ہے کہ "اُمتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔"

اوپر حدیث کے جو الفاظ لکھے گئے یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے روایت کردہ ہیں، باقی سات صحابۂ کرام جنھوں نے یہ حدیث روایت کی ہے

---

[۱] جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب لزوم الجماعۃ ص ۳۹ ج ۲ ومستدرک حاکم کتاب العلم ص ۱۱۵ تا ص ۱۱۶ ج اوّل، ترمذی نے اس حدیث کو "حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ" کہا ہے، مگر "یہ غریب" کہنا سند کے ایک خاص طریق کی بنا پر ہے، ورنہ حاکم نے اس حدیث کی سند سات مختلف طُرُق سے بیان کی ہے، اُن سب طرق کا مدار "معتمر بن سلیمان" پر ہے، جو ائمۂ حدیث میں سے ہیں، اور اُن میں کئی طریق سند کے لحاظ سے صحیح ہیں (باقی حاشیہ

یہ ہیں :-
(۱) حضرت ابن عباس[۱] (۲) حضرت انس[۲] (۳) حضرت ابو مالک اشعری[۳] (۴) حضرت ابو بصرہ[۴]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چنانچہ طریقِ اوّل میں معتمر کے شاگرد خالد کے متعلق حاکم فرماتے ہیں کہ "خالدُ بنُ یَزِیدَ القَرنِیّ شیخٌ قدیمٌ للبغدادیِّین ولو حفظ هٰذا الحدیثَ لَحَکَمْنَا بالصِّحَّةِ" پانچواں طریق جس میں معتمر کے شیخ "سلم بن ابی الذیال" ہیں، اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "وهٰذا لو کانَ مَحْفُوظاً من الراوی لکان مِنْ شَرْطِ الصَّحیح" کیونکہ بقول حافظ ابن حجر، سلم بن ابی الذیال ثقہ ہیں اور اُن سے ایک حدیث صحیح مسلم میں مروی ہے، (تقریب التہذیب ص ۳۱۳ ج اوّل)

حاکم نے ساتوں طریق بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ "ان المعتمر بن سلیمان احدُ ائمۃ الحدیث وقد رُوِیَ عَنْهُ هٰذا الحدیث باسانیدَ یَصِحُّ بمثلها الحدیث فلابُدَّ اَنْ یکونَ لَهٗ اصلٌ باَحَدِ هٰذه الاسانید (حافظ کی اس پوری تحقیق پر حافظ ذہبیؒ نے سکوت فرمایا ہے، جو اُن کی توثیق کی علامت ہے)

نیز یہ حدیث مجمع الزوائد میں بحوالہ طبرانی نقل کی گئی ہے، دیکھئے مجمع الزوائد ص ۲۱۸ ج ۵

حاشیہ صفحہ ھٰذا

[۱] جامع ترمذی حوالۂ بالا، ومستدرک حاکم حوالۂ بالا، ص ۱۱۶ ج اوّل۔

[۲] سنن ابن ماجہ ابواب الفتن، باب السواد الاعظم، ص ۲۸۳ ومستدرک کتاب العلم، ص ۱۱۶ و ۱۱۷ ج اوّل، وکتاب الفقیہ والمتفقہ للخطیب، ص ۱۶۱ جزو پنجم۔

[۳] سنن ابی داؤد کتاب الفتن ص ۵۸۴ ج ۲، وجمع الفوائد، ص ۵۸۴ ج ۲، ابوداؤدؒ نے ابومالک اشعریؓ کی اس روایت پر سکوت کیا ہے، جو اُن کی توثیق کی علامت ہے۔

[۴] مجمع الزوائد بحوالۂ مسند احمدؒ باب فی الاجماع، ص ۱۷۷ ج اوّل (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

⑤ حضرت قدامہ[1] بن عبداللہ بن عمار الکلابی ⑥ حضرت ابو ہریرہ[2] ⑦ حضرت ابو مسعود[3] انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان آٹھ صحابہ کرام کے علاوہ اسی حدیث کو مشہور تابعی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) والتقریر والتحبیر بحوالہ احمد والطبرانی، ص ۸۵ ج ۳ - ابن امیر الحاج "التقریر" میں نقل فرماتے ہیں کہ ابوبصرہ کی اس روایت کے تمام راوی "رجال صحیح" ہیں، سوائے ایک تابعی کے جو مبہم ہے، لیکن اس روایت کا ایک شاہد حدیث مرسل ہے جس کے سب رجال صحیح کے رجال ہیں، اُسے طبریؒ نے سورۂ انعام کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

حاشیہ صفحہ ھذا

[1] مستدرک حاکم ص ۵۰۷ ج ۲، حاکم حضرت قدامہ کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ "ھذا الحدیث لم نکتب بھذا الاسناد الاحدیثاً واحداً" حافظ ذہبیؒ نے یہاں بھی سکوت فرمایا ہے۔

[2] کتاب الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی، ص ۱۶۲ جزو خامس، خطیب نے ابو ہریرہؓ کی یہ روایت اپنی سند سے بیان کی ہے اور سند پر کوئی کلام نہیں کیا۔

[3] مجمع الزوائد ص ۲۱۸ و ۲۱۹ ج ۵، و مستدرک حاکم، ص ۵۰۷ ج ۲، و فتح الباری ص ۳۱ ج ۱۳ ج ۱۳، حافظ ابن حجرؒ اور حاکمؒ نے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت موقوفاً بیان کی ہے حافظ ابن حجرؒ نے سکوت فرمایا ہے جو اُن کی توثیق کی علامت ہے، اور حاکم نے اسے "صحیح علی شرط مسلم" قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے، کہ "یہ حدیث ہم نے مسنداً (غالباً مرفوعاً مراد ہے ــــ رفیع) بھی اپنے پاس لکھی ہے، مگر اس کی سند شرط مسلم کے معیار پر نہیں (اس لئے مستدرک میں اسے ذکر نہیں کیا)۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم کی اس پوری تحقیق پر سکوت فرمایا ہے۔

نے کسی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے[۱]۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حاضرین کے سامنے خطبہ دیا، اور فرمایا کہ آج میں تمہارے سامنے اسی طرح خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے، اور آپؐ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ[۲]:-

اُوْصِیْکُمْ بِاَصْحَابِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ	"میں تم کو اپنے صحابہ (کی پیروی) کی وصیت
یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ	کرتا ہوں، پھر ان لوگوں (کی پیروی) کی
ثُمَّ یَفْشُوا الْکِذْبُ حَتّٰی یَحْلِفَ	جو اُن کے بعد ہوں گے (یعنی تابعین) پھر
الرَّجُلُ وَلَا یُسْتَحْلَفُ وَیَشْهَدُ	ان لوگوں (کی پیروی) کی جو ان (تابعین)

---

[۱] دیکھئے "التقریر والتحبیر" ص ۸۵ ج ۳، وتفسیر ابن جریر طبریؒ سورۃ انعام ج ۷ ص ۱۳۷

علامہ ابن امیر الحاج نے حضرت حسن بصریؒ کی اس مرسل روایت کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے تمام راوی "صحیح" کے رجال ہیں۔

(فائدہ) المحصول، ص ۱۱۱ ج ۴ میں امام رازیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ جب مجھے کوئی حدیث چار صحابہ کرام سے سنائی ہو تو میں اُن (کے نام) کو چھوڑ کر یوں کہتا ہوں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے"۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بھی انہی میں سے ہے، کیونکہ اس میں حسن بصریؒ نے صحابہ کا نام ذکر نہیں فرمایا (معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی انہوں نے کم از کم چار صحابہ کرامؓ سے سُنی ہے)۔

[۲] جامع ترمذی، ص ۴۸ و ۴۹ ج ۲، ومستدرک حاکم ص ۱۱۴ ج ۱۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو "حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ" کہا ہے، اور حاکم اور حافظ ذہبیؒ دونوں نے اسے "صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ" قرار دیا ہے۔

وَلَا يُسْتَشْهَدُ فَمَنْ اَرَادَ مِنْكُمْ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ، فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ اَبْعَدُ، (رواہ الترمذی فی الجامع والحاکم فی المستدرک واللفظ لہٗ قال الحاکم "ھذا حدیثٌ صحیحٌ علی شرط الشیخین ولم یخرجاہُ" واقرّہ الذہبی)

کے بعد ہوں گے، (یعنی تبع تابعین) پھر جھوٹ پھیل جائے گا، حتّٰی کہ آدمی قسم کھائے گا، حالانکہ اس سے کسی نے قسم کھانے کا مطالبہ نہ کیا ہوگا، اور گواہی دے گا حالانکہ اس سے کسی نے گواہی طلب نہ کی ہوگی پس تم میں سے جو شخص جنت کے بیچوں بیچ رہنا چاہتا ہو وہ "الجماعۃ"[1] (مخصوص جماعت) کو لازم پکڑ لے (یعنی اپنے اعتقاد اور افعال میں اس جماعت کا اتباع کرے) کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے زیادہ دُور رہتا ہے۔"

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبعِ تابعین کے بعد دنیا میں جھوٹ پھیل جانے کی خبر دی ہے، مگر ساتھ ہی "الجماعۃ" (مخصوص جماعت) کے ساتھ رہنے اور اس کی پیروی کرنے کا حکم بھی دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دینی اعتبار سے بگڑے ہوئے زمانہ میں بھی اُمت میں ایک خاص "جماعت" ایسی موجود رہے گی جو حق پر ہوگی، اور اس کا اتباع واجب ہوگا، جس کا لازمی نتیجہ وہی ہے جو پیچھے کئی آیات واحادیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ امت کا پورا مجموعہ کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگا، رہی یہ بات کہ "الجماعۃ" سے مسلمانوں کی کیسی جماعت مراد ہے؟ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

"الجماعۃ" کے ساتھ رہنے اور اس کے اتباع کے متعلق آنحضرت صلی اللہ

---

[1] اَلْجَمَاعَۃ عربی زبان میں مخصوص ہی جماعت کو کہتے ہیں، جس کی تشریح آگے آئے گی۔

علیہ وسلم کا جو حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں نقل فرمایا ہے اسے چار اور صحابۂ کرام ① حضرت سعد[1] بن ابی وقاص ② حضرت عبداللہ[2] بن عمر ③ حضرت حذیفہ[3] اور ④ حضرت معاذ[4] بن جبل رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔

⑥ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں مسجد خیف میں خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا کہ :۔

ثلاثٌ لا یغل علیھن قلبُ مُسلمٍ اخلاصُ العمل لِلّٰہِ، والنصیحۃُ للمسلمین، ولزومُ جماعتھم فان دعوتھم تحیطُ من ورائھم ۔

"تین خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کی موجودگی میں کسی مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔ عمل میں اللہ کے لئے اخلاص، مسلمانوں کی خیر خواہی اور جماعتِ مسلمین کا اتباع، کیونکہ ان کی دُعا پیچھے سے اُن کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔"

معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے اعتقاد اور عمل میں جماعتِ مسلمین کا اتباع کرے گا خیانت اور گمراہی سے محفوظ رہے گا۔ اس حدیث کا حاصل بھی وہی ہے کہ جماعتِ مسلمین کا متفقہ عقیدہ یا عمل کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔

---

[1] مستدرک حاکم ص ۱۱۴ و ۱۱۵ ج اول، حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی روایت کو بھی سنداً "صحیح" قرار دیا ہے۔

[2] مستدرک حاکم، ص ۱۱۴ ج اول۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الفتن باب کیف الامر اذا لم یکن جماعۃ ص ۱۰۴۹ ج ۲، وصحیح مسلم کتاب الامارۃ "باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن" ص ۱۲۷ ج ۲۔

[4] مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ ج ۱، کتاب العلم باب الاعتصام بالکتاب والسّنۃ بحوالہ مسند احمد ومجمع الزوائد ص ۲۱۹ ج ۵۔

اس حدیث کو دس صحابۂ کرامؓ نے روایت کیا ہے جن کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:۔

① حضرت ابن مسعودؓ ② حضرت انسؓ ③ حضرت جبیرؓ بن مطعم
④ حضرت زیدؓ بن ثابت ⑤ حضرت نعمانؓ بن بشیر ⑥ حضرت ابوسعیدؓ خدری
⑦ حضرت ابوالدرداء ⑧ حضرت معاذ بن جبل ⑨ حضرت جابر

۱؎ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، ص ۳۵ ج اوّل (بحوالہ امام شافعی وبیہقی) نیز دیکھئے "الرسالہ" للامام الشافعیؒ، الجزء الثالث، ص ۴۰۱ تا ۴۰۳، امام شافعیؒ نے بھی اس حدیث سے اجماع کی حجیّت پر استدلال کیا ہے۔

۲؎ مسند احمد، ص ۲۲۵ ج ۳، ومجمع الزوائد، ص ۱۳۹ ج ۱، وکتاب الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادیؒ ص ۱۶۶ ج ۵۔

۳؎ سُنن ابن ماجہ کتاب المناسک، باب الخطبۃ یوم النحر، ص ۲۱۹ - ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد خطبۂ حجۃ الوداع میں منیٰ کی مسجدِ خیف میں فرمایا تھا، اور مجمع الزوائد میں تو اس کی پوری صراحت ہے، دیکھئے ص ۱۳۷ تا ۱۳۹ ج ۱، ومسند احمد، ص ۸۰ و ۸۲ ج ۴ ومستدرک حاکم، کتاب العلم، باب ثلاث لا یغل علیہن الخ، ص ۸۶ تا ۸۸ ج ۱ حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی روایت کو "صحیحٌ علی شرط الشیخین" کہا ہے۔

۴؎ مسند احمد، ص ۱۸۳ ج ۵۔

۵؎ مستدرک، کتاب العلم، باب "ثلاث لا یغل علیہن الخ" ص ۸۸ ج اول، حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی روایت کو "صحیحٌ علی شرطِ مسلم" قرار دیا ہے۔

۶؎ حضرت ابوسعید خدریؓ سے حضرت ابوقرصافہؓ تک پانچ صحابۂ کرام کی روایتیں علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں قدرے ضعیف یا غیر موثّق سندوں سے ذکر کی ہیں، ص ۱۳۷ تا ۱۳۹ ج ۱۔

(۱۰) حضرت ابو قرصافہ[1] ، رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :۔

یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ اِلَی النَّارِ ۔	"اللہ کا ہاتھ جماعت (مسلمین) پر ہے ، اور جو شخص (ان سے) الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا"

معلوم ہوا کہ "الجماعۃ" (مسلمانوں کی ایک مخصوص جماعت) کو اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تائید و رہنمائی حاصل ہے ، جو اس کو ہر خطا سے بچاتی ہے ، اُن کے متفقہ عقیدہ یا عمل کے خلاف جو بات ہوگی غلط اور باطل ہوگی ، اسی لئے پچھلی احادیث میں "الجماعۃ" کے اتباع کا حکم بڑی تاکید سے دیا گیا ہے ، اور یہاں "الجماعۃ" سے الگ راستہ اختیار کرنے والوں کو بتایا گیا ہے ، کہ ان کا راستہ جہنم کا راستہ ہے ۔

یہ حدیث حضرت عبد اللہ[2] بن عمر اور حضرت اسامہ[3] بن شریک رضی اللہ عنہما

---

[1] ابو قرصافہ ، ان کی کنیت اور نام "جَنْدَرَۃ بن خَیْشَنَۃ" ہے ، علامہ ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ نے اُسد الغابہ میں کہا ہے کہ یہ صحابی ہیں ، فلسطین جا کر آباد ہو گئے تھے ، شام کے محدثین نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں ، اُسد الغابہ میں اُن کے والد کا نام ایک جگہ "خَیْشَنَۃ" اور دوسری جگہ "حبشیہ" لکھا ہے ، بظاہر پہلا ہی نام صحیح ہے ، کیونکہ اس کے حروف کو علامہ جزری نے ضبط کیا ہے ، دوسرے کو ضبط نہیں کیا ہے ۔ اُسد الغابہ ص ۳۰۷ ج ۱ و ص ۲۷۷ ج ۵ ، مجمع الزوائد میں اُن صحابی کا نام "حَیْدَرَۃ بن خیثمۃ" لکھا ہے ، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ۔

[2] جامع ترمذی ، ابواب الفتن ، باب لزوم الجماعۃ ص ۳۹ ج ۲ و مستدرک کتاب العلم ص ۱۱۵ ج ۱ ۔ اس حدیث کی سند کا مفصل حال حدیث نمبر (۴) کے متعلقہ حاشیہ میں پیچھے بیان ہو چکا ہے ، کیونکہ یہ حدیث درحقیقت حدیث نمبر (۴) ہی کا آخری حصہ ہے ۔

[3] مجمع الزوائد ص ۲۱۸ ج ۵ ۔

نے روایت کی ہے، اور اس کا پہلا جملہ "یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ" مزید دو صحابۂ کرام (۱) حضرت عبداللہؓ بن عباس اور (۲) حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے۔

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَمَاتَ فَمِیْتَۃٌ جَاھِلِیَّۃٌ (رواہ البخاری ومسلم والخطیب وغیرھم عن ابن عباس وغیرہ)	"جس شخص نے جماعت (مسلمین) سے علیحدگی اختیار کی اور اسی حالت میں مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

"جاہلیت" قرآن وسنت کی اصطلاح میں اس دور کو کہا گیا ہے جب عرب میں کفر کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، اور اسلام کا سورج طلوع نہ ہوا تھا، اس حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "الجماعۃ" سے علیحدگی اختیار کرنے یعنی ان کے متفقہ فیصلہ، عقیدہ یا عمل کی مخالفت کو کتنا سنگین جرم قرار دیا ہے، آپؐ نے اس کی ممانعت میں اتنی تاکید سے کام لیا کہ معتبر کتب حدیث میں صرف اسی مضمون کی اُنیس[۱۹] حدیثیں راقم الحروف کو ملی ہیں جو سترہ[۱۷] صحابۂ کرامؓ نے روایت کی ہیں، اُن میں "الجماعۃ سے علیحدگی" کی نہ صرف شدید مذمت کی گئی بلکہ اس پر دنیا وآخرت کی سخت سزائیں مختلف انداز میں بیان فرمائی ہیں، کئی حدیثوں میں ارشاد ہے کہ "جس نے "الجماعۃ" سے بالشت بھر علیحدگی اختیار کی اور

لہ جامع ترمذی، حوالۂ بالا ومستدرک حوالۂ بالا، ص ۱۱۶ ج ۱

۲ہ سنن نسائی، ص ۱۵۸ ج ۲ وکتاب الفقیہ والمتفقہ، ص ۱۶۲ جزو خامس، ومجمع الزوائد ص ۲۲۱ ج ۵۔

مرگیا تو وہ "جاہلیت" کی موت مرا" کچھ حدیثوں میں ارشاد ہے کہ :-

فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ ۔ "اس نے اسلام کا پھندا اپنی گردن سے نکال دیا"

کہیں ارشاد ہے کہ :-

دَخَلَ النَّارَ "وہ آگ میں داخل ہوگا"

کہیں ارشاد ہے کہ :-

فَهُوَ فِي النَّارِ "وہ آگ میں ہے"

کہیں ارشاد ہے کہ :-

فَلَا حُجَّةَ لَهٗ "اس کے پاس کوئی دلیل نہ رہی (جس کی بنا پر اُسے معذور قرار دیا جاسکے اور وہ عذاب سے بچ سکے)"

کہیں ارشاد ہے کہ :-

فَلَا تَسْئَلْ عَنْهُمْ "ایسے لوگوں کا کچھ حال نہ پوچھو (کہ ان پر آخرت میں کیا عذاب ہونے والا ہے)"

کہیں فرمان ہے کہ :-

فَاقْتُلُوْهُ "اُسے قتل کرڈالو"

کہیں حکم ہے کہ :-

فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ كَائِنًا مَّنْ كَانَ ۔ "اس کی گردن مار دو خواہ وہ کوئی بھی ہو"

کہیں فرمایا کہ :-

فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ مَنْ "جو شخص "الجماعۃ" سے علیحدگی اختیار

فَارَقَ الْجَمَاعَةَ يَرْكُضُ — کرے اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے جو اسے (گناہوں کی طرف) ایڑ لگاتا (دوڑاتا) رہتا ہے"

کہیں فرمایا کہ :-

اُقْتُلُوا الْفَذَّ مَنْ كَانَ مِنَ النَّاسِ ۔ — " علیحدگی اختیار کرنے (الجماعۃ کی مخالفت کرنے) والے کو قتل کردو، وہ کوئی بھی آدمی ہو"

کہیں ارشاد ہے کہ :

وَاَمَّا تَرْكُ السُّنَّةِ فَالْخُرُوجُ مِنَ الْجَمَاعَةِ ۔ — " ترکِ سُنّت یہ ہے کہ " الجماعۃ " سے خارج ہو جائے "

ایک حدیث صحیح میں یہ قانون بتایا گیا ہے کہ کسی کلمہ گو مسلمان کا خون صرف تین صورتوں میں حلال ہوتا ہے، جن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ وہ

اَلتَّارِكُ لِدِيْنِهٖ اَلْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ ۔ — " اپنے دین کو چھوڑنے والا (یعنی) الجماعۃ سے علیحدگی اختیار کرنے والا ہو "

جن سترہ صحابۂ کرام رض نے یہ حدیثیں روایت کی ہیں اُن کے اسمارِ گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس (۲) حضرت عثمان غنی (۳) حضرت عرفجہ

۱؎ صحیح بخاری، اوّل کتاب الفتن، باب ما جاء فی قول اللہ تعالیٰ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ ص ۱۰۴۵ ج ثانی وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ المسلمین ص ۱۲۸ ج ثانی وکتاب الفقیہ والمتفقہ ص ۱۶۴ جزو خامس۔

۲؎ اُن کی روایت " التارك لدينه المفارق للجماعة " کے لئے دیکھئے جامع ترمذی باب ما جاء لا یحل دم امرئٍ مسلم الّا باحدی ثلاث، ابواب الدیات ص ۲۰۳ ج اوّل ۔

۳؎ ان کی روایت فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ کے لئے دیکھئے (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

④ حضرت اُسامہ بن شریک[۱] ⑤ حضرت عائشہ[۲] ⑥ حضرت ابوہریرہ[۳] ⑦ حضرت ابوذر[۴]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب حکم من فرق امر المسلمین، ص ۱۲۸ ج ثانی وسنن نسائی، کتاب المحاربہ " قتل من فارق الجماعۃ " ص ۱۵۸ ج ثانی وسنن ابوداؤد کتاب السنۃ باب قتل الخوارج، ص ۶۵۵ ج ثانی، نیز ان کی روایت فان الشیطان مع من خالف یرکض" کے لئے دیکھئے مجمع الزوائد ص ۲۲۱ ج ۵ ۔

حاشیہ صفحہ ھذا

[۱] اُن کی روایت "فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ" کے لئے دیکھئے سنن نسائی، حوالہ بالا ۔

[۲] ان کی روایت " التارک لدینہ المفارق للجماعۃ " کے لئے دیکھئے صحیح مسلم کتاب القسامۃ والقصاص باب ما یباح بہ دم المسلم ص ۵۹ ج ثانی، وترمذی ابواب الدیات باب ما جاء لا یحل دم امرئ مسلم الخ ص ۲۰۳ ج اول ،

[۳] ان کی روایت " مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً " کے لئے دیکھئے " التغلیظ فیمن قاتل تحت رأیۃ عمیۃ ، ص ۱۲۸ ج ثانی ومستدرک کتاب العلم " من فارق الجماعۃ الخ" ص ۱۱۸ و ۱۱۹ ج اول ، حاکم اور ذہبیؒ نے ابوہریرہؓ کی اس روایت کی سند کے متعلق کہا ہے کہ" قد اتفقا علی اخراج ابی ھریرۃ فی مثل ھذا " نیز ابوہریرہؓ ہی کی روایت " وَاَمَّا تَرْكُ السُّنَّةِ فَالْخُرُوْجُ مِنَ الْجَمَاعَةِ" کے لئے دیکھئے مستدرک، کتاب العلم ص ۱۲۰ ج اوّل ، اس روایت کو حاکم اور ذہبی نے "صحیح علی شرط مسلم " قرار دیا ہے ۔

[۴] ان کی روایت " فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ" کے لئے دیکھئے ، سنن ابوداؤد کتاب السنۃ باب قتل الخوارج ،ص ۶۵۵ ج ثانی ، ابوداؤد نے ان کی روایت کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا ، نیز دیکھئے مستدرک ص ۱۱۷ ج اوّل " قال الذہبی فی سندہ "خالدٌ لَمْ یُضَعَّفْ "

غفاری ⑧ حضرت[1] حارث اشعری ⑨ حضرت[2] معاویہ ⑩ حضرت ابن عمر[3]
⑪ حضرت[4] حذیفہ ⑫ حضرت عامر[5] بن ربیعہ ⑬ حضرت فضالہ[6] بن عبید ⑭ حضرت[7] ابن مسعود

---

[1] ان کی روایت میں بھی وہی الفاظ ہیں جو ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہیں، دیکھئے جامع ترمذی ابواب الامثال، باب ماجاء فی مثل الصلوٰۃ والصیام الخ، ص ۱۲۹ ج ۲، امام ترمذی نے ان کی روایت کو " حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ غریبٌ" کہہ کر اسی حدیث کا ایک اور طریق بھی بیان کیا ہے، نیز دیکھئے مستدرک کتاب العلم، ص ۱۱۷ و ۱۱۸ ج اوّل۔

[2] مستدرک ص ۱۱۸ ج ۱، حاکم اور ذہبی نے ان کی روایت " من فارق الجماعۃ شِبْرًا دخل النار" کی سند پر سکوت کیا ہے۔

[3] ان کی روایت " فَلَا حُجَّةَ لَهُ " کی سند کے متعلق حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ " قد اتفقا علیٰ اخراج ابی ھریرۃ فی مثل ھذا " دیکھئے مستدرک مع تلخیص، ص ۱۱۸ و ۱۱۹ ج اول، نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی ایک اور روایت " اَخْرَجَ مِنْ عُنُقِہٖ رِبْقَ الاسلام " کے لئے دیکھئے کتاب الفقیہ والمتفقہ ص ۱۶۴ ج خامس و مجمع الزوائد ص ۲۲۰ ج ۵

[4] مستدرک ص ۱۱۹ ج اول، حافظ ذہبی نے ان کی روایت کو " صحیح " کہا ہے۔

[5] ان کی روایت " مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً " کے لئے دیکھئے کتاب الفقیہ والمتفقہ ص ۱۶۳ الجزء خامس

[6] مستدرک ص ۱۱۹ ج اول، حاکم اور ذہبی نے ان کی روایت " فلا تسئل عنهم " کو صحیح علی شرط الشیخین " کہا ہے۔ نیز مجمع الزوائد (ص ۲۲۱ ج ۵) میں اس روایت کو قدرے لفظی فرق کے ساتھ طبرانی سے نقل کر کے علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ " رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ "۔

[7] ان کی روایت " فَاقْتُلُوْهُ " کے دیکھئے کتاب الفقیہ والمتفقہ، ص ۱۶۴ جزء خامس، نیز ان کی ایک اور روایت " التارک لدینہ المفارق للجماعۃ " کے لئے دیکھئے صحیح مسلم کتاب القسامۃ والقصاص، باب ما یباح بہ دم المسلم ص ۵۹ ج ثانی و ترمذی ابواب الدیات باب ماجاء لا یحل دم امرئ مسلم، ص [illegible] ج اول

(۱۵) حضرت ابو مالک اشعری (۱۶) حضرت ابوبکر[2] (۱۷) حضرت سعد بن جنادہ[3] رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۹) حضرت انس[4] رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:۔

اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰی	"میری اُمت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی
ضَلَالَۃٍ فَاِذَا رَأَیْتُمُ اخْتِلَافًا	پس جب تم (لوگوں میں) اختلاف دیکھو تو
فَعَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ،	"سواد اعظم" کو لازم پکڑ لو (یعنی اس کا اتباع کرو)۔"

اس حدیث کا پہلا جملہ تو پیچھے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے آچکا ہے، یہاں اس کا دوسرا جملہ "پس تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کو لازم پکڑلو" بیان کرنا مقصود ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ حضرت انس کے علاوہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک اور روایت میں اس طرح[5] نقل کیا ہے کہ:

---

[1] کتاب الفقیہ والمتفقہ ۱۶۴ ج ۵، ومجمع الزوائد ص ۲۲۷ ج ۵۔

[2] یہ اسم گرامی سب سے پہلے لکھنا چاہئے تھا مگر ان کی روایت "اُقْتُلُوا الْفَذَّ" جس سند سے منقول ہے اس میں ایک راوی "صالح بن مقیم" ہیں جن کے متعلق حافظ ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ "میں ان کو نہیں جانتا، اس سند کے باقی سب راوی ثقہ ہیں" (مجمع الزوائد ص ۲۲۳ ج سادس)

[3] مجمع الزوائد ص ۲۲۱ ج ۵۔

[4] سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب السواد الاعظم، ص ۲۸۳۔

[5] مستدرک کتاب العلم ص ۱۱۵ ج اول، حاکم نے ابن عمر کی یہ روایت دو طریق سے نقل کی ہے اور دونوں کے بارے میں صحتِ سند کا رجحان تو ظاہر کیا ہے، فیصلہ نہیں کیا، حافظ ذہبیؒ نے سکوت کیا ہے۔

فَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ "پس تم "سواد اعظم" کا اتباع کرو،

فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِی کیونکہ جو شخص الگ راستہ اختیار کرے گا

النَّارِ۔ جہنم میں جائے گا۔"

معلوم ہوا کہ اُمّت کا "سوادِ اعظم" ہمیشہ حق پر رہے گا، کبھی غلط بات پر متفق نہ ہوگا، ورنہ اس کے اتباع کا حکم نہ دیا جاتا۔

"الجماعۃ" اور "سوادِ اعظم" سے کیا مُراد ہے؟

"السواد الاعظم" عربی زبان میں عظیم ترین جماعت کو کہا جاتا ہے[1]، یہاں مسلمانوں کا وہ فرقہ مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے طریقہ پر ہو، چنانچہ چار صحابہؓ کرام (۱) حضرت ابو الدرداء (۲) حضرت ابو اُمامہ (۳) حضرت واثلۃ بن الاسقع، اور (۴) حضرت انس رضی اللہ عنہم کی روایت[2] ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "سواد اعظم" کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا "وہ لوگ جو اس طریقہ پر ہوں جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے۔" یہی مضمون اگلی حدیث میں بھی وضاحت سے آرہا ہے۔

---

[1] الصحاح للجوہری، ص ۴۸۹ ج اوّل۔

[2] مجمع الزوائد، کتاب العلم باب ما جاء فی المراء، ص ۱۵۶ ج اول وکتاب الفتن، باب افتراق الامم، ص ۲۵۹ ج سابع بحوالہ طبرانی فی الکبیر، حافظ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ "اس کی سند میں ایک راوی "کثیر بن مروان" ہیں جو بہت ضعیف ہیں" لیکن راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جو مضمون اس روایت میں بیان کیا گیا ہے وہی مضمون اگلی حدیث نمبر(۱۰) میں قوی سند کے ساتھ آرہا ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ ۱۲ رفیع

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان[1] ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَ تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً قَالُوْا مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؟ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ ۔	"بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی، یہ سب آگ میں جائیں گے، سوائے ایک فرقہ کے، صحابہ نے پوچھا، یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہے؟ فرمایا، وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں"

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ مزید پانچ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ روایت کیا ہے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

(۱) حضرت معاویہ[2] (۲) حضرت عوف[3] بن مالک (۳) حضرت انس[4]

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الایمان، باب افتراق ہذہ الامۃ، ص ۱۰۴ ج ثانی، امام ترمذیؒ نے یہ حدیث قوی سند کے ساتھ روایت کر کے فرمایا ہے کہ: "ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ مُفَسَّرٌ لَا نَعْرِفُہٗ مِثْلَ ھٰذَا اِلَّا مِنْ ھٰذَا الْوَجْہِ"

[2] سنن ابوداؤد اوّل کتاب السنۃ، ص ۶۳۱ ج ثانی و مشکوٰۃ ص ۳۰ ج اول بحوالہ ترمذی۔

[3] سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب افتراق الامم، ص ۲۸۷۔

[4] مجمع الزوائد، کتاب قتال اہل البغی، باب ماجاء فی الخوارج، ص ۲۲۶ ج سادس، و باب افتراق الامم ص ۲۵۸ ج ۷، و کتاب الفقیہ و المتفقہ (للخطیب) ص ۱۶۵ جزو خامس۔

④ حضرت عمروؓ بن عوف ⑤ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان چھ حضرات کی روایتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے میں متفق ہیں کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے ایک فرقہ نجات پائے گا باقی سب فرقے آگ میں جائیں گے، رہا یہ سوال کہ وہ نجات یافتہ فرقہ کونسا ہے؟ تو اس کا جواب ان روایتوں میں مختلف الفاظ سے دیا گیا ہے۔

ایک جواب حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت میں اوپر آیا ہے، کہ "وہ فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں" یہ وہی بات ہے جو پچھلی حدیث (نمبر ۹) میں "اَلسَّوَادُ الْاَعْظَمُ" کے متعلق فرمائی گئی ہے۔

حضرت ابو امامہؓ کی روایت میں اس فرقہ کو "اَلسَّوَادُ الْاَعْظَمُ" کے نام سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حضرت عمرو بن عوفؓ کی روایت میں ہے کہ وہ فرقہ "اَلْاِسْلَامُ وَجَمَاعَتُهُمْ" ہے، یعنی "اسلام اور مسلمانوں کی جماعت" باقی تینوں صحابۂ کرامؓ روایتوں میں ہے کہ وہ فرقہ "الجماعۃ" ہے۔

روایات کی اس تفصیل سے دو باتیں سامنے آئیں۔

① وہ نجات یافتہ فرقہ ان لوگوں کا ہے "جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی سنت کے متبع ہوں۔

---

[1] مجمع الزوائد، کتاب الفتن، باب افتراق الامم، ص ۲۶۰ ج ۷۔

[2] حوالۂ بالا، ص ۲۵۸ ج ۷ بحوالہ "طبرانی فی الاوسط والکبیر" علامہ ہیثمی نے اس کی سند کی توثیق فرمائی ہے۔

[3] سوائے حضرت انسؓ کے کہ انہوں نے کُل بہتر کا عدد روایت کیا ہے۔ (رفیع)

(۲) اس نجات یافتہ فرقہ کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث میں "اَلسَّوَادُ الْاَعْظَمُ" اور بعض روایات میں "اَلْجَمَاعَۃُ" بتایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ "اَلسَّوَادُ الْاَعْظَمُ" اور "اَلْجَمَاعَۃُ" درحقیقت اس نجات پانے والے ایک ہی فرقہ کے دو نام ہیں، اور یہ فرقہ ایسے لوگوں کا مجموعہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی سُنّت پر قائم ہوں، صرف انہی لوگوں کا راستہ راہِ ہدایت و نجات ہے، اس کے خلاف سب راستے گمراہی اور جہنّم کی طرف جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پیچھے حدیث نمبر ۵ تا نمبر ۹ میں "الجماعۃ" اور "سوادِ اعظم" کے اتباع کا حکم نہایت تاکید سے دیا گیا، جن کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ "اُن پر اللہ کا ہاتھ ہے" اُن کے اتباع کی تاثیر یہ بتائی گئی کہ وہ نفس و شیطان کی حیلہ سازیوں سے بچاتا ہے، اور اس کی مخالفت کی سزا دنیا میں قتل اور آخرت میں جہنّم کی آگ مقرر فرمائی گئی ہے۔ (نعوذ باللہ منہا)

بہر حال زیرِ بحث حدیث (نمبر ۱۰) سے بھی وہ بات معلوم ہوئی جو پچھلی تمام احادیث سے ثابت ہوتی آرہی ہے کہ اُمّت میں فساد اور بگاڑ پھیل جانے کے باوجود مسلمانوں کا ایک فرقہ حق پر قائم رہے گا پوری اُمّت کا مجموعہ کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگا، جس کا لازمی نتیجہ وہی ہے جو "حُجّیّتِ اِجماع" کا حاصل ہے کہ "اُمّت کا متفقہ عقیدہ، عمل یا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوسکتا، اس کا اتباع فرض اور مخالفت سخت حرام ہے۔"

یہاں تک حُجّیّتِ اجماع پر ہم نے قرآنِ حکیم کی پانچ آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دس حدیثیں بیان کی ہیں، جو چوالیسؓ صحابۂ کرامؓ نے روایت کی ہیں۔

اِن صحابۂ کرام کے بعد اب تک ہر زمانے میں اِن احادیث کو نسلاً بعد نسلٍ کن کن حضرات نے روایت کیا، اور ان کی مجموعی تعداد ہر زمانہ میں کتنی کتنی رہی؟ یہ سب

تفصیل بھی اگر اس مقالے میں شامل کرنے کی کوشش کی جاتی تو یہ مقالہ "مقالے" کی بجائے ناموں کی ایک ضخیم "ڈائرکٹری" بن جاتا، کیونکہ صحابۂ کرام کے بعد اِن احادیث کے راویوں کی تعداد کم ہونے کے بجائے ہر زمانے میں بڑھتی ہی چلی گئی ہے جس کو کسی ایک کتاب میں سمیٹنا آسان نہیں۔ اور اس مقالے کے بعد اس کاوش کی ضرورت بھی اس لئے نہیں رہی کہ صحابۂ کرام سے روایت کرنے والے حضرات کے اسمار گرامی کا طویل سلسلہ اُن کتبِ حدیث میں اب بآسانی دیکھا جا سکتا ہے، جن کے مفصّل حوالوں سے اس مقالے میں حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ اُن حوالوں کی مدد سے ہر متعلقہ کتاب میں وہ حدیث نکال کر اس کی سند دیکھی جا سکتی ہے، جس سے یہ حقیقت خوب واضح ہوجائے گی کہ صحابۂ کرام سے روایت کرنے والے تابعین کی تعداد صحابۂ کرام سے زیادہ، اور تبعِ تابعین کی تعداد تابعین سے زیادہ ہے، اور ہر زمانے میں راویوں کی تعداد اسی طرح بڑھتی چلی گئی ہے۔ لہٰذا اِن احادیث کے "متواتر" ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ ان میں سے ہر حدیث الگ الگ اگرچہ متواتر نہ ہو مگر ان سب احادیث کا مشترک مضمون جو اجماع کی حجیّت کو ثابت کرتا ہے متواتر[1] ہے، لہٰذا تواتر سے اجماع کا حجّت ہونا اور فقہ کے لئے عظیم مأخذ ہونا قرآن وسنت کی روشنی میں روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

یہ سب وہ آیات واحادیث ہیں جن سے اجماع کے حجت ہونے پر فقہاء اور محدثین ومفسرین نے عام طور پر استدلال کیا ہے، بعض علماءِ محققین نے اور بھی کئی

لہ تواتر کی بحث میں یہ بات پہلے ہی واضح ہو چکی ہے کہ تواتر کی اس قسم کو "تواتر معنوی" کہا جاتا ہے، اور یہ بھی تواتر کی باقی قسموں کی طرح علمِ قطعی یقینی کا فائدہ دیتا ہے، فتح الملہم ص ۶ ج اوّل۔

آیات و احادیث دلیل میں پیش کی ہیں، مگر ہم نے اختصار کے لئے صرف وہ آیات و احادیث ذکر کی ہیں جو اجماع کی حُجیّت میں زیادہ واضح تھیں۔ مطالعہ کے دوران اس سلسلہ میں صحابۂ کرام کے اقوال و آثار بھی سامنے آئے ہیں، مثال کے طور پر چند یہ ہیں:۔

حُجیّتِ اجماع پر چند آثارِ صحابہ

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے[۲] کہ :۔

مَا رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَمَا رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ قَبِيْحٌ ،

"جس چیز کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں، وہ اللہ کے نزدیک اچھی اور جس کو تمام مسلمان بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بُری ہے۔"

---

[۱] مثلاً سورۂ نساء کی آیت " يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ " (نساء: ۵۸) اور سورۂ اعراف کی آیت " وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (اعراف: ۱۸۰) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد " يُوْشِكُ اَنْ تَعْرِفُوْا اَهْلَ الْجَنَّةِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ ـــــ او قال خِيَارَكُمْ مِنْ شِرَارِكُمْ، قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِمَاذَا؟ قَالَ بِالثَّنَاءِ الْحَسَنِ وَالثَّنَاءِ السَّيِّئِ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ " (مستدرک، کتاب العلم ص ۱۲۰ ج اول، قَالَ الْحَاكِمُ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الاسناد وقال الذهبی "صحیح"۔

[۲] موطا امام محمدؒ، کتاب الصلوٰۃ، باب قیام شہر رمضان، ص ۱۴۰ ومجمع الزوائد ص ۱۷۸ ج اول بحوالہ احمد والبزار والطبرانی فی الکبیر، قال الھیثمی "رجالہ موثقون"۔ امام محمدؒ نے مؤطا میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرار دیا ہے مگر سند ذکر نہیں فرمائی، اُن تک یہ ارشاد ضرور قابلِ اعتماد سند سے پہنچا ہوگا، اور ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ حضرت ابن مسعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سُنا ہوگا، کیونکہ اتنا بڑا قاعدۂ کلیہ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(۲) امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور قاضی شُریحؒ کو عدالتی فیصلوں کے لئے جو بنیادی اصول لکھ کر بھیجے ان میں تیسرا اصول یہ تھا کہ جس مسئلہ کا حکم قرآن وسنت میں (صریح طور پر) نہ ملے، اس میں امت کے اجماعی فیصلہ پر عمل کریں، حضرت عمرؓ کا یہ سرکاری فرمان امام شعبیؒ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:-

كَتَبَ عُمَرُ اِلٰى شُرَيْحٍ اَنِ اقْضِ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ اَتَاكَ اَمْرٌ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاقْضِ بِمَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنْ اَتَاكَ اَمْرٌ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَمْ يَسُنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْظُرْ

"حضرت عمرؓ نے شریحؒ کو لکھ کر بھیجا کہ: تم فیصلے قرآن حکیم کے مطابق کرو، اور اگر تمہارے پاس کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا (صریح) حکم قرآن شریف میں نہ ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو، اور اگر کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا حکم (صریح طور پر) نہ قرآن حکیم میں ہو نہ رسول اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جو اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسندیدگی کی خبر دے رہا ہو محض قیاس سے دریافت نہیں کیا جا سکتا، یہ بات صرف وحی سے معلوم ہو سکتی ہے اور صاحبِ وحی ہی بتا سکتا ہے مگر ہم نے اس کو احادیثِ نبویہؐ کی بجائے آثارِ صحابہ میں اس لئے شمار کیا ہے کہ جن قابلِ اعتماد سندوں سے ہم تک پہنچا ہے وہ سب ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر جا کر ختم ہو جاتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتیں، اور جو سندیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں وہ محدثین کی کڑی شرائط پر پوری نہیں اترتیں، تفصیل کے لئے دیکھئے التعلیق الممجد علیٰ موطأ الامام محمدؒ ص ۱۴۰ و ۱۴۱ -

ل دیکھئے خطیب بغدادیؒ کی مشہور تصنیف "کتاب الفقیہ والمتفقہ" ص ۱۶۶ جزو خامس -

لَهُ الَّذِی اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ فَإِنْ جَاءَكَ أَمْرٌ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيهِ أَحَدٌ فَأَیَّ الْأَمْرَيْنِ شِئْتَ فَخُذْ بِهِ إِنْ شِئْتَ فَتَقَدَّمْ وَإِنْ شِئْتَ فَتَأَخَّرْ وَلَا أَرَى التَّأَخُّرَ إِلَّا خَيْرًا لَكَ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں، تو تم اس کے لئے وہ فیصلہ تلاش کرو جس پر سب لوگ متفق ہو چکے ہوں، اور اگر کوئی ایسا مقدمہ آجائے جس کے متعلق کسی کا فیصلہ موجود نہ ہو (نہ قرآن میں نہ سنت میں نہ اجماع میں) تو اب دو صورتوں میں سے جس کو چاہو لفتیا کرلو یعنی چاہو تو آگے بڑھ جاؤ (یعنی اپنے اجتہاد سے فیصلہ کردو) اور چاہو تو پیچھے ہٹ جاؤ، (یعنی اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کے بجائے اہلِ علم سے پوچھ کر عمل کرو) اور میں تمہارے لئے ایسے موقع پر پیچھے ہٹ جانا ہی بہتر سمجھتا ہوں۔"

(۳) حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا ارشاد[1] ہے کہ:-

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَيْكُمُ الْجَمَاعَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُنْ لِيَجْمَعَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ضَلَالَةٍ۔

"اللہ سے ڈرو اور "الجماعت" کے ساتھ رہو، کیونکہ اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کو کبھی کسی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔"

اِجماع کا فائدہ اور "سندِ اِجماع"

یہاں ایک یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اِجماع کے حجّت ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اجماع کرنے والوں کو شرعی احکام میں نعوذ باللہ خدائی کے اختیارات مل گئے ہیں، کہ وہ قرآن و سُنّت سے آزاد ہو کر جس چیز کو چاہیں حرام اور جس کو چاہیں حلال کردیں۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ فقہ کا کوئی مسئلہ قرآن یا سُنّت

---

[1] کتاب الفقیہ والمتفقہ، ص ۱۶۷ جزو خامس۔

کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا ، اجماع کا بھی ہر فیصلہ قرآن و سنت کا محتاج ہے چنانچہ فقہ کے جس مسئلہ پر بھی اجماع منعقد ہوتا ہے ، وہ یا تو قرآنِ حکیم کی کسی آیت سے ماخوذ ہوتا ہے ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت سے ، یا ایسے قیاس سے جس کی اصل قرآن یا سنت میں موجود ہو ، غرض ہر اجماعی فیصلہ کسی نہ کسی دلیلِ شرعی پر مبنی ہوتا ہے ، جس کو "سَنَدِ اِجماع" کہا جاتا ہے ۔

رہا یہ سوال کہ جب ہر اجماعی فیصلہ قرآن یا سنت یا قیاس پر مبنی ہوتا ہے تو اجماع سے کیا فائدہ ہوا ؟ اور اسے فقہ کے دلائل میں کیوں شمار کیا جاتا ہے ؟ جواب یہ ہے کہ اجماع کے دو فائدے ہیں ، ایک یہ کہ قرآن یا سنت یا قیاس سے ثابت ہونے والا حکم اگر "ظنی"[1] ہو تو اجماع اسے "قطعی" (ایسا یقینی جس میں ادنیٰ تردد کی گنجائش نہ رہے) بنا دیتا ہے ، جس کے بعد کسی فقیہ مجتہد کو بھی اس سے اختلاف کا جواز باقی نہیں رہتا ، اور اگر وہ حکم پہلے ہی قطعی تھا تو اجماع اس کی قطعیت میں مزید قوت اور تاکید پیدا کر دیتا ہے ۔

اور دوسرا فائدہ اجماع کا یہ ہے کہ وہ جس دلیلِ شرعی پر مبنی ہو بعد کے

---

[1] یعنی ایسا یقینی جس میں تردد کی گنجائش ہو ، یاد رہے کہ دلیلِ ظنی سے ثابت ہونے والا حکم ظنی ہوتا ہے اور دلیلِ قطعی سے ثابت ہونے والا حکم قطعی ہوتا ہے ۔

قرآنِ حکیم کی جن آیات کا مطلب متعین طور پر خوب واضح اور یقینی نہ ہو بلکہ اس میں ایک سے زیادہ مطالب کا احتمال ہو تو وہ آیت معنیٰ کے اعتبار سے ظنی ہوتی ہے اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی ہوتا ہے ، اور جو حدیث تواتر سے ثابت نہ ہو وہ بھی ظنی اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی ہوتا ہے ، نیز قیاس بھی دلیل ظنی ہے اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی ، اجماع ان تمام ظنی احکام کو قطعی بنا دیتا ہے ۔ رفیع

لوگوں کو اس دلیل کے پرکھنے اور اس میں غور و فکر کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ان کو اس مسئلہ پر اعتماد کرنے کے لئے بس اتنی دلیل کافی ہوتی ہے کہ فلاں زمانہ کے تمام مجتہدین کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، انہوں نے کس دلیلِ شرعی کی بنیاد پر یہ اجماعی فیصلہ کیا تھا؟ یہ جاننے کی ضرورت بعد کے لوگوں کو نہیں رہتی۔ سندِ اجماع کی چند مثالوں سے یہ دونوں فائدے کچھ اور واضح ہو جائیں گے۔

چند مثالیں

① مثلاً فقہ کا مشہور اجماعی مسئلہ ہے کہ دادی، نانی اور نواسی سے نکاح حرام ہے، اجماع کرنیوالوں[1] نے یہ مسئلہ قرآن حکیم کی آیت:-

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ ، "حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں۔" (نساء: ۲۲)

سے لیا ہے، لہٰذا یہ آیت اس مسئلہ[2] کے لئے "سندِ اجماع" ہے، مذکورہ بالا فقہی حکم اگرچہ اس آیت سے ثابت ہو چکا تھا، کیونکہ "اُمَّھَات" (مائیں) کا لفظ دادی اور نانی کو بھی شامل ہے، اور "بَنَات" (بیٹیاں) کا لفظ نواسی کو بھی شامل ہے، لیکن یہ حکم یقینی اور قطعی نہ تھا، کیونکہ یہ احتمال موجود تھا کہ "امہات" (مائیں) سے یہاں صرف حقیقی مائیں مراد ہوں، دادی اور نانی مراد نہ ہوں، اسی طرح "بنات" (بیٹیاں) کے لفظ میں احتمال تھا کہ اس سے یہاں صرف حقیقی بیٹیاں مراد ہوں بیٹیوں کی بیٹیاں مراد نہ ہوں، چنانچہ اس احتمال کی بنیاد پر کوئی مجتہد یہ کہہ سکتا تھا کہ دادی، نانی اور نواسی سے نکاح حرام نہیں، مگر جب ان کے حرام

---

[1] تسہیل الوصول، ص ۱۷۲

[2] تفسیر روح المعانی، ص ۲۴۹ ج ۴

ہونے پر اجماع[1] منعقد ہو گیا تو یہ حکم قطعی اور یقینی ہو گیا، اور مذکورہ بالا احتمال معتبر نہ رہا، اور کسی مجتہد کو اس سے اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۲) یہ اُس اجماعی فیصلہ کی مثال تھی جو قرآن حکیم سے ماخوذ ہے۔ اور سنت سے ماخوذ ہونے کی مثال[2] فقہ کا یہ اجماعی فیصلہ ہے کہ کھانے کی کوئی چیز خرید کر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کر دینا جائز نہیں، (جیسا کہ آجکل سٹّہ میں ہوتا ہے کہ محض زبانی یا تحریری طور پر کسی چیز کی خریداری کا معاملہ کر کے قبضہ کئے بغیر اسے دوسرے کے ہاتھ اور دوسرا تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، جو قطعاً حرام ہے) اس مسئلہ میں سندِ اجماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد[3] ہے کہ :-

مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهٗ ۔	"جس نے کوئی کھانے کی چیز خریدی وہ اُس پر جبتک قبضہ نہ کرلے اُسے فروخت نہ کرے"

یہ حکم جیسا کہ صاف ظاہر ہے اس حدیث سے معلوم ہو گیا تھا، مگر یہ حدیث "غیر متواتر" تھی، اور اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے کہ "حدیث غیر متواتر" ظنی ہوتی ہے، لہٰذا یہ حکم بھی ظنی تھا قطعی نہ تھا، جب اس پر اجماع منعقد ہوا تو یہی حکم قطعی بن گیا۔

(۳) اور قیاس سے ماخوذ ہونے کی مثال[4] فقہ کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ

---

[1] تفسیر رُوح المعانی، ص ۲۴۹ ج ۴

[2] نورالانوار، ص ۲۲۲، مبحث الاجماع۔

[3] مشکوٰۃ شریف، عن ابن عمر، ص ۲۴۷ ج ۱، کتاب البیوع، باب المنہی عنہا من البیوع، بحوالہ بخاری ومسلم۔

[4] نورالانوار، ص ۲۲۲، مبحث الاجماع۔

رِبا (سُود) چاول میں بھی جاری ہوتا ہے، یعنی جب چاول کو چاول کے عوض میں فروخت کیا جائے تو اُدھار بھی حرام ہے، اور کسی طرف مقدار میں کمی بیشی بھی حرام، لین دین ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری ہے، اور دونوں چاول خواہ مختلف قسم کے ہوں مگر مقدار اُن کی برابر ہونی ضروری ہے، اودھار کریں گے یا مقدار میں کسی طرف کمی بیشی ہوگی تو ربا ہو جائے گا جو حرام ہے۔

یہ اجماعی فیصلہ قیاس کی بنیاد پر کیا گیا ہے، یعنی اس مسئلہ میں "سَنَدِ اجماع" قیاس ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں سونا، چاندی، گندم، جَو، کھجور، نمک — کے بارے میں فرمایا[1] تھا کہ ان میں سے کسی چیز کو جب تم اسی کی جنس کے بدلے میں فروخت کرو تو اس میں اُدھار یا کمی بیشی ربا ہے، جو حرام ہے، حدیث سے ان چھ چیزوں کا حکم تو صاف معلوم ہوگیا تھا، مگر چاول کے متعلق یہ حدیث خاموش تھی، اجماع کرنے والوں نے چاول کا حکم ان چھ چیزوں پر قیاس[2] کرکے معلوم کیا اور بتایا کہ جو حکم ان چھ چیزوں کا ہے وہی چاول کا بھی ہے۔

اگر اس قیاس پر سب مجتہدین کا اجماع نہ ہوا ہوتا تو یہ حکم ظنی ہوتا، کیونکہ قیاس دلیل ظنی ہے، اور دلیل ظنی سے حکمِ قطعی ثابت نہیں ہوسکتا، مگر جب اس قیاس پر ایک زمانہ کے تمام مجتہدین نے اجماع کرلیا، تو یہ حکم قطعی ہوگیا، اجماع سے پہلے کسی فقیہ کو اس سے مختلف قیاس کرنے کی گنجائش تھی، اجماع کے بعد یہ

---

[1] صحیح مسلم شریف، ص ۲۴ و ۲۵ ج ۲ باب الربا، کتاب البیوع۔

[2] قیاس ایک دقیق اور پیچیدہ فکری عمل کا نام ہے، جس کی ضروری تشریح رسالہ کے بالکل شروع میں آچکی ہے۔

گنجائش ختم ہوگئی۔

(۴) بسا اوقات جس مسئلہ پر اجماع منعقد ہوا ہو وہ پہلے ہی سے قطعی ہوتا ہے، ایسی صورت میں اجماع سے صرف یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی قطعیت میں مزید تاکید اور قوت پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً پانچوں فرض نمازوں میں رکعتوں کی تعداد سُنتِ متواترہ سے ثابت ہے، اور اس کی پابندی تمام مسلمانوں پر قطعی طور پر فرض ہے پھر پوری امّت کا اجماع بھی اس پر چلا آرہا ہے، جس کے لئے "سندِ اجماع" یہی سُنتِ متواترہ ہے، اس مثال میں ایک ایسے حکم شرعی پر اجماع منعقد ہوا ہے جو پہلے ہی سے قطعی تھا، لہٰذا اجماع سے اس کی قطعیت میں مزید قوت اور تاکید پیدا ہو گئی۔

اگر بالفرض کسی زمانہ میں لوگوں کو خدانخواستہ یہ معلوم نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچوں نمازوں میں اس تعداد کی خود بھی پابندی فرمائی تھی اور سب کو اس کی پابندی کا حکم دیا تھا، تب بھی لوگوں کو اس کی پابندی اس لئے لازم ہوگی کہ پوری اُمّت کا اجماع اس پر چلا آرہا ہے، یہی حال اُوپر کی باقی مثالوں کا ہے کہ اجماع کرنے والوں نے جس سندِ اجماع کی بنیاد پر وہ فیصلے کئے تھے اگر بعد کے لوگوں کو وہ سندِ اجماع معلوم نہ ہو، یا یاد نہ رہے تب بھی وہ اجماعی فیصلے قطعی اور واجب العمل رہیں گے، کیونکہ سندِ اجماع کی ضرورت اجماع کرنے والوں کو ہوتی ہے، بعد کے لوگوں کو (خواہ وہ فقہاء اور مجتہد ہوں) سندِ اجماع کی ضرورت نہیں، اُن کے لئے صرف اجماع ہی کافی دلیل ہے۔

اِجماع کِن لوگوں کا معتبر ہے؟

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اجماع صرف عاقل، بالغ مسلمانوں کا معتبر ہے، کسی مجنون، بچہ یا کافر کی موافقت و مخالفت کا اعتبار نہیں، نیز اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ اجماع منعقد ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عہدِ صحابہؓ سے لیکر

قیامت تک کے تمام مسلمان کسی مسئلہ پر متفق ہوں، اس لئے کہ اگر اسے اجماع کے لئے شرط قرار دیا جائے تو قیامت سے پہلے کسی بھی مسئلہ پر اجماع منعقد نہ ہوسکے گا، لہٰذا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اجماع کے لئے کسی ایک زمانہ کے مسلمانوں کا متفق ہوجانا کافی ہے۔

رہا یہ سوال کہ ایک زمانہ کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ضروری ہے یا مخصوص قسم کے افراد کا متفق ہوجانا کافی ہے؟ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ ہم یہاں چند اقوال ذکر کرتے ہیں:۔

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک صرف اہلِ مدینہ کا اجماع معتبر ہے، کسی اور کی موافقت یا مخالفت کا اعتبار نہیں۔

(۲) فرقۂ زیدیہ اور امامیہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو اجماع کا اہل کہتا ہے، دوسرے لوگوں کا اجماع ان کے نزدیک معتبر نہیں۔

(۳) بعض حضراتؒ کے نزدیک صرف صحابۂ کرامؓ کا اجماع حجت ہے، ان حضرات کے نزدیک اجماع کا دروازہ عہدِ صحابہ کے بعد ہمیشہ کے لئے بند ہوچکا ہے۔

۱؎ مشہور یہی ہے، مگر بہت سے علماء نے امام مالکؒ کی طرف اس مذہب کی نسبت کا انکار کیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے "التقریر والتحبیر" ص ۱۰۰، ج ۳۔

۲؎ التقریر والتحبیر، ص ۹۸ ج ۳۔

۳؎ مثلاً داؤد اصفہانی (تسہیل الوصول، ص ۱۷۰) ابن حبان کے کلام سے بھی اسی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے، امام احمدؒ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ اجماع صحابہ کے ساتھ خاص ہے، اور دوسرا یہ کہ خاص نہیں، دوسرے قول کو علماءِ حنابلہ نے صحیح اور راجح قرار دیا ہے (التقریر ص ۹۹ ج ۳)

(۴) بعض حضراتؒ کہتے ہیں کہ ایک زمانہ کے تمام مسلمانوں کا اتفاق اجماع کے لئے شرط ہے، عوام ہوں یا خواص، عالم ہوں یا جاہل جب تک سب متفق نہ ہوں اجماع منعقد نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں جمہور کا مذہب

(۵) پانچواں قول جمہور کا ہے جو نہایت معتدل ہے، وہ یہ کہ اجماع صحابہ کے ساتھ خاص نہیں، کسی بھی زمانہ کے متبعِ سنت فقہاء (مجتہدین) کا کسی حکمِ شرعی پر متفق ہو جانا اجماع کے لئے کافی ہے، عوام اور اہلِ بدعت یا فاسق کی موافقت و مخالفت کا اعتبار نہیں۔

قرآن و سنت کے جن دلائل سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہوا ہے ان سے بھی اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ان آیات و احادیث میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ کہیں بھی اجماع کو کسی خاص زمانہ یا مقام یا نسل کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا، بلکہ مطلقاً "المؤمنین"، "الأمّۃ"، "الجماعۃ" یا "سوادِ اعظم" کے اتفاق کو حجت قرار دیا گیا ہے، اور یہ چاروں الفاظ صحابۂ کرام، آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ مدینہ کی طرح دوسرے مسلمانوں پر بھی صادق آتے ہیں، لہٰذا اجماع کو صرف صحابۂ کرام یا اہلِ بیت یا اہلِ مدینہ کے ساتھ خاص

---

[۱] قاضی ابوبکر باقلانیؒ اور علامہ آمدیؒ کا رجحان اسی طرف ہے، مگر دونوں کی رائے میں یہ فرق ہے کہ قاضی ابوبکر تو فرماتے ہیں کہ جس اجماع میں کسی عام مسلمان کا اختلاف ہو وہ اجماع شرعاً حجت تو ہے مگر اس کو "اجماعِ امت" نہیں کہا جائے گا، کیونکہ عام مسلمان بھی امت کا فرد ہے، اور علامہ آمدی ایسے اجماع کو حجت بھی نہیں مانتے، (دیکھئے التقریر شرح التحریر، ص ۸۰ ج ۳)

[۲] التقریر شرح التحریر، ص ۸۱، و ۹۵ و ۹۷ ج ۳۔

کرنے کی کوئی واضح دلیل قرآن وسنت میں نہیں ملتی ۔

اجماع کو صرف صحابۂ کرام کے ساتھ خاص کرنے والے حضرات جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں، اُن سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا اجماع حجت ہے، مگر یہ کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ بعد کے فقہاء کا اجماع حجت نہیں ۔

رہا یہ سوال کہ جب "مؤمنین"، "امت"، "الجماعة" اور "سواد اعظم" کے اجماع کو قرآن وسنت میں حجت قرار دیا گیا ہے، تو اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ عام مسلمانوں بلکہ اہل بدعت اور فاسق وفاجر مسلمانوں کی موافقت بھی اجماع کے لئے شرط ہو، اور اُن کے اختلاف کی صورت میں اجماع منعقد نہ ہو، کیونکہ "مؤمنین" اور "امت" میں یہ لوگ بھی داخل ہیں ؟

جواب یہ ہے کہ جن دلائل سے اجماع کی حُجیّت ثابت ہوئی ہے، ان میں اور دیگر آیات واحادیث میں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اجماع صرف مُتبعِ سُنّت فقہاء کرام ہی کا معتبر ہے، باقی لوگوں کی موافقت یا مخالفت اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتی، اُن دلائل کی کچھ تفصیل یہ ہے :-

(۱) قرآن کریم میں دو جگہ صریح ارشاد ہے کہ :

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (نحل : ۴۳ وانبیاء : ۷) "اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم[1] سے دریافت کرو"۔

---

[1] یہ "اھل الذکر" ہی کا ترجمہ ہے، لفظ "الذکر" کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے، ان میں سے ایک معنی علم کے بھی ہیں، اسی مناسبت سے قرآن کریم میں توراۃ کو بھی "الذکر" فرمایا ہے، ارشاد ہے "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ" (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو احکام شریعت معلوم نہ ہوں ان پر واجب ہے کہ علماء سے دریافت کرکے اس کے مطابق عمل کریں، تو جب عوام کو خود علماء کے فتوے کا پابند کیا گیا ہے تو دنیا بھر کے تمام علماء (فقہاء) کے متفقہ فیصلہ کی مخالفت عوام کو کیسے جائز ہو سکتی ہے، اور اُن کے موافقت نہ کرنے سے فقہاء کا اجماع کیسے باطل ہو سکتا ہے؟!

(۲) قرآن حکیم نے فاسق کی دی ہوئی خبر کے متعلق یہ قانون ارشاد فرمایا ہے کہ:-

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ (الحجرات: ٦)	"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے (تو اس خبر کی) خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے"

اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت مقبول نہیں، تو جب عارضی نوعیت کے واقعات میں فاسق کی خبر اور شہادت کا یہ حال ہے تو دینی مسائل جو قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے حجت اور واجب الاتباع بننے والے ہوں اُن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور خود قرآن کریم نے بھی اسی مناسبت سے اپنا ایک نام "الذکر" بتایا ہے، جیسا کہ سورۂ نحل کی آیت (۴۴) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ میں "الذکر" سے مراد قرآن کریم ہے، اس لئے "اَھل الذکر" کے لفظی معنی اہلِ علم کے ہوئے۔ (تفسیر معارف القرآن، ص ۳۳۲ ج ۵، و تفسیر قرطبی ص ۲۷۲ ج ۱۱)

(حاشیہ صفحہ ھذا) لـه حوالۂ بالا۔

میں ان کی شخصی رائے کیسے معتبر ہو سکتی ہے ؟ اور جو بدعت فسق کی حد تک پہنچی ہوئی ہو اس کا مرتکب بھی فاسق ہے، لہٰذا ایسے اہلِ بدعت کی رائے بھی اجماع میں معتبر نہیں، اسی لئے جمہور علماء اہلِ سُنّت والجماعت نے شیعہ، خوارج اور معتزلہ وغیرہ کے اختلاف کا اجماع میں اعتبار نہیں کیا۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ اجماع میں عوام کی موافقت و مخالفت معتبر نہیں، اور اس دوسری آیت سے ثابت ہوا کہ فاسق اور اہلِ بدعت کی موافقت و مخالفت کا بھی اعتبار نہیں، اس لئے حاصل ان دونوں آیتوں کا وہی ہے جو جمہور علماء نے اختیار کیا، کہ اجماع صرف متبعِ سنت فقہاء کا معتبر ہے، اور یہی بات ان احادیث سے ثابت ہوتی ہے جن سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، ہم وہ احادیث خاصی تفصیل سے پیچھے بیان کر چکے ہیں، یہاں اُن کے الفاظ کا مختصر جائزہ لینا ہوگا، جس سے جمہور کا مسلک بخوبی واضح ہو سکے گا۔

(۱) سب سے پہلی حدیث جو ہم نے اجماع کی حجیّت پر پیش کی ہے اس میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کا (صریح) حکم قرآن و سنت میں نہ ملے تو اس میں آپؐ کا کیا حکم ہے ؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ :

شَاوِرُوْا فِيْهِ الْفُقَهَاءَ	"تم اس معاملہ میں فقہاء اور
وَالْعَابِدِيْنَ ۔	عابدین سے مشورہ کرو"

اس حدیث میں صراحت ہے کہ جو لوگ فقہاء اور عابدین ہوں انہی کا مشورہ قابلِ اتباع ہوگا۔

(۲) دوسری حدیث جو بارہ صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہے اس میں "پوری امت" کا لفظ نہیں بلکہ مِنْ اُمَّتِیْ کا لفظ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ

"میری امت میں ایک جماعت حق پر قائم اور اس کے لئے برسرِ پیکار رہے گی"۔ اس میں پوری امت کے تمام لوگوں کے حق پر قائم رہنے کی خبر نہیں دی گئی، بلکہ بتایا گیا ہے کہ امت میں ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، جو مخالفین سے حق کے لئے برسرِ پیکار رہے گی، اب خود اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اتباع حق پر قائم رہنے والی جماعت کا لازم ہوگا یا اس کے مخالفین کا ؟

(۳) تیسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ:

لَنْ تَزَالَ اَمْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مُسْتَقِيمًا حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ — "اس اُمت کی حالت قیامت تک سیدھی رہے گی"۔

ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ اس امت کا ہر فرد نیکوکار اور ہدایت یافتہ رہے گا، کوئی بھی شخص غلطی نہیں کرے گا، کیونکہ مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے، اور اوپر کی اور بعد میں آنے والی حدیثیں بھی، لہٰذا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس امت کا پورا مجموعہ باطل اور غلط بات پر متفق نہیں ہوگا، کچھ لوگ حق پر ضرور قائم رہیں گے، باقی جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے، کیا کریں، یہ حق پر ڈٹے رہیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امت بحیثیتِ مجموعی گمراہی سے محفوظ رہے گی اور یہ وہی بات ہے جو اوپر کی حدیث میں آچکی ہے، اب خود فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ حق پر ڈٹے رہیں گے، اِتّباع ان کا واجب ہوگا یا ان کے مخالفین کا ؟

(۴) چوتھی حدیث جو آٹھ صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ:-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِيْ (او قال اُمَّةَ مُحَمَّدٍ) عَلٰى — "اللہ میری اُمت کو کسی گمراہی پہ متفق نہیں کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ

ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ اِلَى النَّارِ۔	"الجماعة" پر ہے، اور جو الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا۔"

اس حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ وہ بات آگئی ہے جو ہم اوپر تیسری حدیث کے ضمن میں کہہ آئے ہیں کہ "اُمّت کی حالت ہمیشہ سیدھی رہنے" اور "کسی گمراہی پر متفق نہ ہونے" کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص بھی کجروی یا گمراہی کا شکار نہ ہوگا، ہر فاسق و فاجر، بدعتی اور جاہل مسلمان جو مشورہ بھی دینی امور میں پیش کرے گا صحیح اور درست ہوگا، بلکہ اس حدیث کے آخری دو جملوں " اللہ کا ہاتھ الجماعۃ پر ہے" اور جو الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا " نے بتادیا کہ امّت کی حالت سیدھی رہنے اور گمراہی پر متفق نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُمّت میں ایک جماعت ہمیشہ ایسی موجود رہے گی جو راہِ ہدایت پر قائم رہے گی، جس کے نتیجہ میں امّت بحیثیتِ مجموعی گمراہ ہو جانے سے محفوظ رہے گی، اس جماعت کو اللہ کی طرف سے خاص ہدایت و نصرت حاصل ہوگی، لوگوں پر لازم ہوگا کہ اس جماعت کی پیروی کریں، اور جو اُن سے الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا۔

معلوم ہوا کہ اجماع صرف اسی جماعت کا حجّت ہوگا، دوسروں کی موافقت پر موقوف اور مخالفت سے باطل نہ ہوگا۔

(۵) تا (۱۰) حدیث نمبر (۵) سے نمبر (۸) تک چار حدیثیں جو مجموعی طور پر ۳۴ صحابۂ کرامؓ نے روایت کی ہیں ان میں " الجماعت" کی پیروی کا حکم نہایت تاکید سے دیا گیا ہے، اور اس کی مخالفت پر ہولناک سزائیں بیان ہوئی ہیں۔

نویں حدیث میں " سوادِ اعظم" کی پیروی کا حکم ہے، اور وہیں ہم نے دوسری حدیثوں کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ " الجماعۃ" اور " سوادِ اعظم"

درحقیقت ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں، اور یہ دونوں نام اُن مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی سُنّت کے پیرو ہوں، اِسی بناء پر اُن کو "اَھْلُ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ" بھی کہا جاتا ہے۔

اور دسویں حدیث میں تو صراحت ہے کہ اس امّت میں تہتّر فرقے ہوں گے جن میں سے نجات یافتہ فرقہ صرف ان لوگوں کا ہے جو متّبعِ سُنّت ہوں، باقی سب فرقے گمراہ ہیں۔

پس حدیث نمبر (۵) سے نمبر (۱۰) تک سب حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیروی ان لوگوں کی لازم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی سُنّت کے پیرو ہوں، اور ان کے مخالفین گمراہ اور سخت عذاب کے مستحق ہیں، اب یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ اجماع صرف متّبعِ سُنّت مسلمانوں کا کافی ہوگا، یا فاسق اور اہلِ بدعت کی مخالفت کی وجہ سے اُسے باطل کر دیا جائے گا؟

حاصلِ کلام یہ کہ جمہورِ فقہاء نے جو مسلک اختیار کیا ہے کہ اجماع میں عوام، اہلِ بدعت اور فاسق مسلمانوں کا اختلاف یا اتفاق معتبر نہیں، بلکہ صرف متّبعِ سُنّت فقہاء کا اجماع ہی حجت ہے، قرآن و سُنّت کی تصریحات سے اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے، اور حنفیہؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[1]

اِجماع کی قسمیں

بنیادی طور پر اجماع کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اجماعِ قولی (۲) اجماعِ عملی (۳) اجماعِ سکوتی،

ان تینوں کی کچھ تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) اجماعِ قولی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات

---

[1] التقریر، ص ۹۵ و ۹۶ ج ۳

کسی زمانہ میں اپنے قول سے کسی دینی مسئلہ پر اپنا اتفاق ظاہر کریں، جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور زبان سے اس کا اقرار کیا۔

(۲) اجماعِ عملی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات کسی زمانہ میں کوئی عمل کریں، جب کوئی عمل تمام اہلِ اجماع (جائز یا مستحب یا مسنون سمجھ کر) کرنے لگیں تو اس عمل کو بالاجماع جائز یا مستحب یا مسنون سمجھا جائے گا۔ واجب ہونا اس قسم سے ثابت نہیں ہو سکتا، اِلّا یہ کہ وہاں کوئی قرینہ ایسا پایا جائے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہو۔

ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جو سُنّتِ مؤکدہ ہیں اُن کا سُنّتِ مؤکدہ ہونا صحابۂ کرامؓ کے اجماعِ عملی سے ثابت ہوا ہے [۱]

(۳) اجماعِ سُکوتی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والوں میں سے کچھ حضرات کوئی متفقہ فیصلہ زبانی یا عملی طور پر کریں جس کی اس زمانہ میں خوب شہرت ہو جائے یہاں تک کہ اُس زمانہ کے باقی سب مجتہدین کو بھی اس فیصلہ کی خبر ہو جائے، مگر وہ غور و فکر اور اظہارِ رائے کا موقع ملنے کے باوجود سکوت اختیار کریں، ان میں سے کوئی بھی اس فیصلہ سے اختلاف نہ کرے۔

---

[۱] تسہیل الوصول، ص ۱۶۸۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فرضِ ظہر سے پہلے کی چار رکعتوں کا سنّتِ مؤکدہ ہونا اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ قولیہ وفعلیہ سے بھی ثابت ہے لیکن یہ احادیث مبارکہ ''اخبارِ آحاد'' کے قبیل سے ہیں، جو ''حجتِ ظنیہ'' ہیں، لہٰذا ان اخبارِ آحاد سے ان چار رکعتوں کا سُنّتِ مؤکدہ ہونا درجۂ ''ظن'' میں ثابت ہوتا ہے لیکن جب ان کے سنتِ مؤکدہ ہونے پر صحابۂ کرام کا اجماعِ عملی بھی ہو گیا تو ان کا ثبوت درجۂ ''قطعیت'' کو پہنچ گیا۔ رفیع

اجماع کی ان تین قسموں میں سے پہلی دونوں قسمیں تو سب فقہاء کے نزدیک حجّت ہیں، البتہ تیسری قسم یعنی "اجماعِ سکوتی" کے حجّت ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے[1]، امام احمدؒ، اکثر حنفیہؒ اور بعض شوافع کے نزدیک یہ حجّتِ قطعیہ ہے اور امام شافعیؒ، اکثر شوافع اور اکثر مالکیہ کے نزدیک حجّت ہی نہیں، اور بعض فقہاء نے اُسے حجّتِ ظنّیہ قرار دیا ہے[2]

یہ اجماع کی قسموں کا اجمالی بیان ہے، تفصیل کے لئے اصولِ فقہ کی کتابوں کی مراجعت فرمائی جائے۔

اِجماع کے مَراتِب

اجماع کرنے والوں کے اعتبار سے اجماع کے حسبِ ذیل تین[3] درجات ہیں:-

① سب سے قوی درجہ کا اجماع وہ ہے جو تمام صحابۂ کرامؓ نے عملی یا زبانی طور پر صراحۃً کیا ہو، اس کے حجّتِ قطعیہ ہونے پر پوری امّت کا اتفاق ہے۔

② دوسرا درجہ صحابۂ کرام کے "اجماعِ سکوتی" کا ہے، یہ بھی اگرچہ حنفیہ سمیت بہت سے فقہاء کے نزدیک حجّتِ قطعیہ ہے، مگر اس کا منکر کافر نہیں، کیونکہ اس کے حجّت ہونے میں امام شافعی اور بعض دیگر فقہاء کا اختلاف ہے، جیساکہ پیچھے بیان ہوا۔

---

[1] یہاں تک ان تین قسموں کا بیان تسہیل الوصول، ص ۱۶۸ و ص ۱۷۳ سے ماخوذ ہے۔

[2] التقریر، ص ۱۰۱ و ۱۰۲ ج ۳۔

[3] کیونکہ جو حضرات صرف اہلِ مدینہ یا صرف اہلِ بیت کے اتفاق کو اجماع کے لئے کافی سمجھتے ہیں تمام صحابہؓ کا اجماع اُن کے نزدیک بھی حجّتِ قطعیہ ہے، اس لئے کہ صحابہؓ میں اہلِ مدینہ اور اہلِ بیت بھی داخل ہیں۔ (تسہیل الوصول، ص ۱۷۳)

(۳) تیسرے درجہ پر وہ اجماع ہے جو صحابۂ کرام کے بعد کسی زمانہ کے تمام فقہاء نے کیا ہو، یہ بھی جمہور کے نزدیک حجت تو ہے مگر "حجّتِ قطعیہ" نہیں کیونکہ جو حضرات غیر صحابہ کے اجماع کو حجّت نہیں مانتے ان کے اختلاف کی وجہ سے اس اجماع میں قطعیّت باقی نہیں رہی، یہ درجہ میں "سُنّتِ مشہورہ" کی مانند ہے، اس کا منکر بھی کافر نہیں۔

ان سب درجات کی تفصیل کے لئے اصولِ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے[1]۔

نقل اجماع

اجماعی فیصلوں کے درجات کی جو ترتیب اوپر بیان ہوئی وہ اصل کے اعتبار سے ہے، لیکن جب اجماعی فیصلہ کی خبر ہم تک پہنچے گی تو اس خبر کی روایت جتنی قوی ہوگی ہمارے حق میں اس اجماعی فیصلہ کی تاثیر بھی اتنی ہی قوی ہوگی، اور روایت میں جس قدر ضعف ہوگا اس اجماعی فیصلہ کی تاثیر بھی ہمارے حق میں اتنی ہی ضعیف ہو جائے گی، چنانچہ تمام صحابۂ کرام کا اجماع قولی یا عملی جو درجۂ اوّل کا اجماع ہے اور اپنی ذات میں "حجّتِ قطعیہ" ہے، اگر اس کی خبر ہم تک "تواتر" سے پہنچے تب تو وہ ہمارے لئے بھی حجّت قطعیہ باقی رہے گا، اور اس کا منکر کافر ہوگا، لیکن اس کی خبر ہم تک اگر قابلِ اعتماد سند سے تواتر کے بغیر پہنچے تو اس کی قطعیّت ہمارے حق میں ختم ہو جائے گی، اور اس کا حکم وہی ہوگا جو غیر متواتر حدیث کا ہوتا ہے، کہ وہ "دلیل ظنی" ہوتی ہے، شرعی احکام اس سے ثابت ہو سکتے ہیں، مگر اس کا منکر کافر نہیں ہوتا[2]۔

---

[1] مثلاً تسہیل الوصول، ص ۱۷۳ و ۱۷۴، اور التقریر والتحبیر، ص ۸۰ تا ص ۹۲ ج ۳۔

[2] تسہیل الوصول، ص ۱۷۳۔

اور اگر اس کی خبر سند کے اعتبار سے بھی ضعیف ہو تو اس کا حکم وہ ہوگا جو "حدیثِ ضعیف" کا ہوتا ہے، کہ وہ حجت ہی نہیں، اور اس سے کوئی حکمِ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ کا ماخذ ہونے کے اعتبار سے درجۂ اوّل کے اجماع کی حیثیت ہمارے لئے وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی، کہ اگر وہ ہم تک تواتُر سے پہنچے تو "دلیلِ قطعی" ہے، تواتُر کے بغیر قابلِ اعتماد سند سے پہنچے تو "دلیلِ ظنی" ہے، اور سندِ ضعیف سے پہنچے تو وہ ہمارے لئے کسی حکمِ شرعی کی دلیل نہیں بن سکتا۔

یہ اجماع اور اس کے مراتب کا صرف تعارف پیش کیا گیا ہے، تفصیلات اصولِ فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں، اس رسالہ کا اصل مقصود اجماع کا تعارف کرانا اور اس کا تشریعی مقام واضح کرنا تھا، اللہ تعالیٰ اسے نافع بنا کر شرفِ قبولیت سے نوازے اور راحقر کے لئے زادِ آخرت بنائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّدنا خاتم النبیّین، وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین ؏

بندۂ ناکارہ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
خادمِ دارالعلوم کراچی
۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ